جلد 14 شمارہ 8 جولائی 2012ء شعبان 1433ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبّت

اللہ

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

منشور دعوت

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

(ال عمران-175)

ترجمہ

یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اِن سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔

❋

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

ماہنامہ

فلاح آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران وسرپرست

محمد صدیق ڈار

توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob:0300-6493335

مدیر	احمد رضا خان 0321-6400942
نائب مدیر	سید رحمت اللہ توحیدی 0333-4552212
کوارڈینیٹر	خالد محمود توحیدی 0300-7374750
تقسیم کنندہ	نعمان احمد 0300-6452570

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ کے لیے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835/055-4005431

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

دل کی بات

الحمدللہ ماہنامہ **فلاحِ آدمیت** بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی دیرینہ خواہش پر ستمبر 1997 سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی طرف سے شائع ہونے والا یہ مجلّہ روحانی و اخلاقی اور تعمیری اقدار کا علمبردار ہے جس کا بنیادی مقصد شخصی تربیت و تزکیہ اور اجتماعی اصلاح اور انقلاب کی دعوت ہے جو انسان کے اندر رونما ہوتا ہے۔ مجلّہ میں شائع ہونے والا ہر مضمون سبق آموز اور بصیرت افروز اور دل میں اتر جانے والا ہوتا ہے۔ عقیدۂ توحید، عالمگیر محبت اور ایمان کی پختگی اور اعلیٰ پیمانے پر کردار سازی سلسلہ توحیدیہ کا مطلوب و مقصود ہے۔ ایک صالح اجتماعیت اور ہمہ گیر اسلامی اور روحانی انقلاب کا مقصود یہی ہے کہ فرد کا صحیح ارتقاء ہو سکے فرد سے افراد بنتے ہیں پھر ایک ملت تعمیر ہوتی ہے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

صوفیاء ہی اللہ کی طرف جانے والے ہر راستے سے واقف ہوتے ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

اولیاء کرام کے اقوال و فرامین اور ارشادات عالیہ نہ صرف یہ کہ ان کے وسیع تجربے کے عکاس اور عمیق مشاہدے کے آئینہ دار ہوتے ہیں بلکہ ان کے تعلق مع اللہ کی بناء پر ان کا علم کسبی سے زیادہ وہبی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ان سے استفادۂ علم اور اکتسابِ فیض، علم و عمل دونوں میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے اور ان بزرگوں کے حالات و ملفوظات سے وہ سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے جو ان کی زندگی میں ان کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر کسی کو اہل اللہ کی صحبت میسر نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ کم از کم ان کے ملفوظات و تحریرات کا بہ نظر اصلاح و استفادہ مسلسل مطالعہ کرتا رہے کہ اس سے بھی اہل اللہ کا ایمان و ایقان و عمل ہمارے اندر منتقل ہو جاتا ہے اور قالب سے تجاوز کر کے قلب و روح میں اتر جاتا ہے۔

فی زمانہ علماء ربانی کی صحبت میسر نہیں اس لئے مذہبی کتابوں کا مطالعہ اچھی صحبتوں کا بدل ہے۔ بزرگوں کے حالات و نصائح اور دینداری کا جذبہ پیدا کرنے والے مضامین پر مشتمل کتابیں یقیناً نیک صحبتوں کے قائم مقام ہیں۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ صاحب کی تعلیمات کا خاصہ حصہ محفوظ ہے ورنہ بہت سے اولیاء کرام کی تعلیمات محفوظ نہیں ہیں اور اگر ہیں تو وہ غیر مستند اور غیر مصدقہ ہیں۔

بانی ءِ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا یوم ولادت ۲۹ جولائی ۱۸۹۳ء ہے۔ آپؒ کی زندگی کی تمام تر تگ و دو تصوف کے عملی میدان میں رہی۔ جب ہم خود آپؒ کی تعلیمات تصوف پر عمل کریں گے تو اس عمل کے بعد حاصل ہونے والا علم آپؒ کی مجددانہ کاوشوں کا احساس دلائے گا۔

آپکی تعلیمات اور افکار کی احیاء کیلئے توحیدی بھائی مقامی سطح پر اپنے حلقوں میں آپؒ کے یوم ولادت باسعادت کی تقریب کا اہتمام کرتے ہیں آپؒ کی سیرت، معاملات، معمولات پر اظہار خیال کرتے ہیں ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کی جاتی ہے اور آپ کے درجات کی بلندی کیلئے دُعا کا اہتمام ہوتا ہے اس لئے اس ماہ کا شمارہ قبلہ انصاریؒ صاحب کے نام خصوصی اشاعت ہے۔

گزارش! مجلّہ اپنے آپ تک محدود رکھنے کے لئے نہیں ہے۔ اسکی اشاعت اور پھیلاؤ کے لئے اپنی صلاحیت بروئے کار لا کر نہ صرف باقاعدگی سے خود پڑھیں بلکہ حلقہ احباب، کالجز، سکولز اور لائبریریز اور علم دوست حضرات کی رکنیت حاصل کریں تا کہ اس روحانی تعلیم کے فروغ کے لئے اپنی طرف سے کارِ خیر اور صدقہ جاریہ میں حصہ ملائیں تا کہ اسلام کی نشاط ثانیہ کیلئے ہراول دستہ بنیں۔

(ادارہ)

سوانح حیات خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی)

آپ کا نام گرامی "عبدالحکیم" ہے۔ تصوف سے نسبت کی وجہ سے نام کے شروع میں "خواجہ" لگایا جاتا ہے۔ آپؒ کے آباؤ اجداد کا تعلق پانی پت والے انصاری خاندان سے تھا جن کا سلسلۂ نسب مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ملتا ہے۔ آپؒ ۲۹ جولائی ۱۸۹۳ء کو جوارِ دہلی کے شہر فرید آباد میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبدالرحیم تھا، جو حافظ قرآن تھے۔ والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العائشہ سادات خاندان کی نہایت پارسا اور نیک اطوار خاتون تھیں۔ آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ اپنے وقت کے ایک جید عالم، کامل صوفی، ولی اللہ اور مرد خود آگاہ تھے۔ مولانا عبدالعزیزؒ ایک تعلیم یافتہ اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ جو کافی عرصہ تک لکھنؤ میں سینئر سب جج کے عہدے پر فائز رہے۔ آپؒ کے پردادا بھی عابد و زاہد بزرگ تھے، جنہوں نے ملازمت کے دوران کافی وقت ایبٹ آباد میں گزارا اور پھر کرنال سے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر ریٹائر ہو کر فرید آباد چلے آئے۔

آپؒ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ایک چھوٹے بھائی عبدالعلیم انصاری اور ایک چھوٹی بہن رفیعہ بیگم تھیں۔ عبدالعلیم انصاری آپ سے بارہ سال چھوٹے تھے۔

بچپن، تعلیم و تربیت: آپؒ میں بچپن سے ہی ایسے خواص موجود تھے جو عام بچوں میں نہیں ہوتے۔ آپؒ سے کرامات کا ظہور ابتدائی عمر سے ہی ہونے لگا تھا۔ گھر کا ماحول ایسا ملا جس نے اعلیٰ طرز پر نکھار پیدا کیا۔ آپؒ کا بچپن اپنے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کی گود شفقت میں گزرا جنہوں نے پانچ برس کی عمر تک آپؒ کو نماز، مسنون دعائیں، اور کئی چھوٹی چھوٹی سورتیں زبانی یاد کرا دیں۔ مولانا عبدالعزیزؒ کا ایک ذاتی کتب خانہ تھا۔ اس کتب خانہ سے آپؒ نے کافی کتب کا مطالعہ کر کے دینی و دنیاوی علوم پر دسترس حاصل کی۔

آپؒ نے دینی مدارس کی تعلیم کے بعد میٹرک منشی فاضل، عربی فاضل کی تعلیم حاصل کی اور گریجوایشن پنجاب یونیورسٹی سے کی۔ آپؒ انگریزی سے اردو، اردو سے انگریزی، فارسی سے انگریزی اور انگریزی سے فارسی ترجمہ کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔

ازدواجی زندگی:

آپؒ کی شادی آپؒ کے چچا کے گھر ہوئی جو کہ علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے۔ آپؒ کی اولاد میں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں۔ بیٹے کا نام عبدالہادی اور بیٹیوں کے نام شمسہ بیگم، رابعہ بیگم اور ہمایوں بیگم تھے۔ شمسہ بیگم سب سے بڑی اور ہمایوں بیگم سب سے چھوٹی تھیں۔

گھریلو حالات:

آپؒ کے بیٹے عبدالہادی انصاریؒ جوانی میں ہی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ اور چھتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ عبدالہادی انصاریؒ کو لاہور میں قبرستان میانی صاحب میں دفن کیا گیا۔ آپؒ نے اپنے بھتیجے انور علیم انصاری کو گود لے کر بیٹا بنالیا تھا۔ آپؒ کی بڑی بیٹی شمسہ بیگم کی شادی خواجہ فخر الحسن سے ہوئی۔ کراچی کا ماہوار مرکزی حلقہ ذکران کی رہائش گاہ ''شمس النہار'' واقع گارڈن ایسٹ پر ہی ہوا کرتا تھا۔ چھوٹی بیٹی ہمایوں کی شادی میاں شیخ امتیاز علی آفاقی سے ہوئی۔

آپؒ نے اپنے بھتیجے انور علیم انصاری کو گود لے کر بیٹا بنالیا تھا، جو پاک فضائیہ میں ٹیکنیکل آفیسر بھرتی ہوکر ونگ کمانڈر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔

آپؒ کی اہلیہ کو سب مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ ''نانی اماں'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ نانی اماں بھی ایک اعلیٰ مرتبہ کی حامل خاتون تھیں۔ آپؒ نے ایک بھرپور زندگی گزاری۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے انڈین آرمی میں مترجم کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ آپؒ کی پہلی تعیناتی شملہ میں ہوئی۔ آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی میں تعیناتی کے دوران آپؒ نئی دہلی گورنمنٹ کے اے کلاس کوارٹر ٹیگور روڈ پر اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ رہتے تھے۔ آپؒ کو آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی سے

عارضی طور پر بلگام بھیجا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب آپ دہلی سے ہجرت کر کے لاہور اور پھر کراچی آئے تو آپؒ نے پاکستان ائیر فورس بیس ڈرگ روڈ (موجودہ شارع فیصل) میں بطور لائبریرین ملازمت شروع کی۔ یہاں سے کچھ عرصہ بعد آپ کا تبادلہ ملیر کینٹ لائبریری میں ہو گیا۔
۱۹۵۵ء میں جب آپؒ نے کراچی سے بنوں مستقل سکونت کا فیصلہ کیا تو اس ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔

تصوف کی طرف رجحان:

آپؒ کی ابتدائی تربیت میں آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کی صحبت کارفرما تھی۔ جن کی صحبت سے آپؒ تصوف کی طرف مائل ہوئے اور آپؒ کو فقراء سے محبت و انس نصیب ہوا۔ آپؒ پیدائشی ولی اللہ تھے اور بچپن میں ہی کرامات کا ظہور ہونے لگا مگر آپؒ نے کرامات کو خاطر خواہ اہمیت کبھی نہ دی۔ مولانا عبدالعزیزؒ کے کتب خانہ سے دینی و دنیاوی کتب کا مطالعہ کر کے نہ صرف دینی و دنیاوی علوم پر دسترس حاصل کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تصوف اور صوفیاء کے بارے میں جاننے کا بھی موقع ملا۔ آپؒ ابھی دس برس کے تھے کہ آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ ۱۹۰۲ء میں انتقال فرما گئے۔ مگر ان کی صحبت کے اثرات سے آپؒ کی تربیت مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئی۔ لڑکپن سے ہی آپؒ نے مرشد کی تلاش شروع کر دی۔ کئی درویشوں، بزرگوں، فقیروں، ملنگوں کے پاس گئے۔ بڑے بڑے درباروں، آستانوں اور درگاہوں کی طرف گئے، طرح طرح کی دنیا اور اس کے رنگ ڈھنگ دیکھے مگر کسی جگہ بھی دل مطمئن نہ ہوا۔

مقصودِ حیات:

آپؒ کا مطمع نظر آپ کے بقول: ''ایسے بزرگ کی تلاش تھی جو صاحبِ علم، صاحبِ عرفان اور صاحبِ تحقیق ہو، کشف و کرامات دکھانے والے تو بہت مل جاتے ہیں لیکن عارف اور محقق کہاں نظر آتے ہیں۔'' آپؒ کا مقصدِ حیات ''رویت باری تعالیٰ کا حصول تھا''۔

تلاشِ مرشد:

باقاعدہ سلوک طے کرنے کے لیے آپؒ مرشد کی تلاش میں سرگرداں رہے، آخرکار آٹھ سال کی تلاش وجستجو کے بعد وہ وقت آیا جب اچانک آپؒ کی ملاقات مولانا کریم الدین احمدؒ سے ہوئی۔ مولانا کریم الدین احمدؒ میں وہ تمام خوبیاں کماحقہٗ موجود تھیں جن کے حامل بزرگ کی آپؒ کو عرصہ دراز سے تلاش تھی۔ آپؒ پہلی نشست میں چھ گھنٹے تک مولانا کریم الدین احمدؒ کی خدمت میں حاضر رہے اور بیعت ہو گئے۔

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے نسبت:

مولانا کریم الدین احمدؒ کے دست شفقت پر ۱۹۱۱ء میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کے وقت آپؒ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپؒ کو چوبیس گھنٹے پاس انفاس، اور روزانہ پانچ ہزار مرتبہ نفی اثبات کرنے کو کہا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں رائج طریق ذکر نفی اثبات کے برعکس مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپ کو ذکر نفی اثبات بالجہر کے طریقہ پر کرنے کو کہا۔ آپؒ نے بڑی جانفشانی اور جوش وخروش سے تین برس متواتر اپنے اوراد جاری رکھے۔ ان اوراد واذکار کو پورا کرنے کی کوشش میں راتیں گزرتی تھیں۔ اسی دوران اللہ کے فضل وکرم سے آپ کے تین لطیفے، قلب، روح اور سر روشن ہو گئے اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آ گئی۔ جس پر مولانا کریم الدین احمدؒ نے تحریری طور پر آپؒ کو خلافت سے نوازا اور بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ اجازت نامہ میں تحریر فرمایا کہ "جب تک چالیس سال کی عمر نہ ہو جائے کسی کو بیعت نہ کرنا۔" اس وقت آپؒ کی عمر تئیس (۲۳) برس کے لگ بھگ تھی۔ مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپ کو نوافلِ تہجد پر خصوصی توجہ، ممکنہ حد تک تلاوتِ قرآن پاک اور تفکر یعنی مراقبے میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی ہدایت کی۔ آپؒ نے اپنے مرشد کی ہدایات پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء میں مولانا کریم الدین احمدؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپؒ جب مولانا کریم الدین احمدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تو ان کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے۔تقریباً نو (۹) سال تک سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ رہے۔ابتدائی چھ (۶) سال میں آپؒ دس پندرہ مرتبہ اپنے مرشد (مولانا کریم الدین احمدؒ) سے ملے۔

سلسلہ چشتیہ سے نسبت:

مولانا کریم الدین احمدؒ کی وفات کے بعد آپؒ نے سلسلہ چشتیہ میں مرادآباد کے رہنے والے ایک مشہور بزرگ سید محمد قاسم علی کلیمیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔آپؒ نے پانچ چھ سال میں ہی چشتیہ سلوک طے کرلیا۔آپؒ کم وبیش دس سال کے عرصہ میں صرف دو مرتبہ اپنے مرشد (سید محمد قاسم علی کلیمیؒ) سے ملے۔آپؒ مزاجِ مرشد کی زیارت کی نسبت ان کی بتائی گئی تعلیم پر پورے جوش سے عمل کرنے کے قائل تھے۔آپؒ پیر سے عقیدت کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی ضروری خیال کرتے تھے۔

اویسیہ نسبت:

آپؒ سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ چشتیہ کا روحانی سلوک طے کر چکے تھے مگر مقصودِ حیات یعنی ''رویت باری تعالیٰ کا حصول'' تا حال ایک خواہش کی صورت میں موجود تھا۔مزید کہیں بیعت تو نہ ہوئے مگر سلسلہ قادریہ اور دیگر سلاسل کے سلوک کا بغور مطالعہ کیا۔تمام تر مطالعہ میں کہیں بھی رویت باری تعالیٰ کے حصول کا ذکر تک نہ پایا۔مولانا کریم الدین احمدؒ نے پہلی ملاقات میں ہی ایک دوست کے ذریعے رویت باری تعالیٰ کے حصول کی پیشین گوئی کی تھی۔اس دوست کے انتظار میں آپؒ لطیفہ غیبی کے منتظر رہے۔آخر کار اکتوبر ۱۹۴۸ء میں رسالدار محمد حنیف خانؒ سے ملاقات ہوگئی۔یہ وہی بزرگ تھے جن کا نام آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ نے خواب میں آ کر آپ کو بتایا تھا اور جن کے بارے میں مولانا کریم الدین احمدؒ نے بشارت دی تھی کہ ''میرے مرنے کے بعد تمہیں ایک دوست ملے گا جس کے پاس تمہارا حصہ ہے،اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔''

رسالدار محمد حنیف خانؒ ہندوستان کی ریاست پٹیالہ کے قصبہ مہندر گڑھ کے رہنے والے تھے اور اویسی بزرگ تھے، جنہیں سیالکوٹ کے مشہور بزرگ امام علی الحقؒ سے اویسیہ طریق سے روحانی فیض ملا۔ امام علی الحقؒ کسی جہادی مہم پر سیالکوٹ آئے اور شہید ہو گئے۔ رسالدار محمد حنیف خانؒ ۱۹۲۸ء میں آپؒ سے ملاقات کے وقت بلگام میں بطور وائسرائے کمیشن آفیسر (VCO) آرمی کے ٹریننگ سکول میں آئے ہوئے تھے اور آپؒ آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی سے آرمی ٹریننگ سکول بلگام میں مترجم کی حیثیت سے عارضی طور پر موجود تھے۔

رسالدار محمد حنیف خانؒ سے دوستی:

آپؒ کی رسالدار محمد حنیف خانؒ سے دوستی کا سفر کم وبیش انیس (۱۹) سال پر محیط ہے۔ آپؒ کا تعلق رسالدار محمد حنیف خانؒ سے چھوٹے بھائی کا سا تھا۔ آپؒ بلگام قیام کے دوران رسالدار محمد حنیف خانؒ کی دوستانہ صحبت سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔ بالآخر سرکاری حکم پر بلگام سے دہلی آرمی ہیڈ کوارٹر واپس آ گئے۔ رسالدار محمد حنیف خانؒ بھی بلگام میں ٹریننگ مکمل کر کے بنوں چلے گئے۔ بنوں قیام کے دوران رسالدار محمد حنیف خانؒ چھٹیوں پر گھر جاتے ہوئے پہلے دہلی آتے، آپؒ کے ہاں قیام کرتے اور پھر گھر جاتے۔ بعض اوقات بنوں سے گھر چلے جاتے، اور واپسی پہلے دہلی میں قیام کرتے اور پھر بنوں کے لیے روانہ ہوتے۔ رسالدار محمد حنیف خانؒ کے دہلی میں قیام کے دوران کئی معتقد اور دوست احباب بھی آپؒ کی رہائش گاہ پر آ جاتے اور خوب محفل جمتی۔

آپؒ کو رسالدار محمد حنیف خانؒ نے کوئی ذکر اذکار وغیرہ نہ بتائے۔ ان کا تعلق صرف دوستی اور صحبت کا رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کئی سال بعد آپؒ نے اپنے پرانے سلسلہ نقشبندیہ والے معمولات جو مولانا کریم الدین احمدؒ نے بتائے تھے وہ دوبارہ شروع کر دیے۔ رسالدار محمد حنیف خانؒ دہلی آئے تو آپؒ کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

''ماشاءاللہ اب تو خوب رنگ چڑھا ہوا ہے کیا پڑھتے ہو؟''

آپؒ نے جواب دیا کہ "آپؒ تو کچھ پڑھنے کو بتاتے نہیں ہیں اس لیے میں نے اپنے پرانے سلسلہ نقشبندیہ والا ذکر ہی شروع کر دیا ہے۔"

رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے کہا کہ "یہی ٹھیک ہے، یہی کرتے رہیں۔"

آپؒ نے ایک مرتبہ اپنے مریدین کو بتایا کہ رسالدار محمد حنیف خاںؒ تشریف لائے اور خوب محفل جمی ہوئی تھی کہ آپؒ نے پانی منگوایا، اس میں سے تھوڑا سا خود پیا اور گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ "یہ تمہارا حصہ ہے" میں نے وہ چند گھونٹ پانی کے پی لیے۔ اللہ جانے اس ظالم نے اس میں کیا ملایا تھا کہ پانی پینے کے ساتھ ہی زن کی آواز آئی کہ جیسے میں نے پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ پی لیا ہو۔ وہ پانی جہاں جہاں سے گزرا سب کچھ جلاتا ہوا گزرا۔ بس اس کے بعد تو پھر میری ترقی راکٹ کی سپیڈ سے ہوئی۔ اب تو جو کچھ بھی میرے پاس ہے یہ رسالدار صاحب کا دیا ہوا ہے۔ چونکہ انہوں نے مجھے بیعت نہیں کیا تھا اس لیے ہم اپنا شجرہ مولانا کریم الدین احمدؒ سے ملاتے ہیں کہ وہی ہمارے مرشد تھے۔"

آپؒ بھی چند مرتبہ مہندر گڑھ گئے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ فوج سے ریٹائر ہو کر مہندر گڑھ آباد ہو گئے۔ جہاں سے اکثر اوقات دہلی جایا کرتے تھے۔ ان دنوں شب و روز ملاقاتوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپؒ ان گزرے ہوئے دنوں کو بہت یاد کیا کرتے تھے۔

ہجرتِ پاکستان: تقسیم ہند کے بعد امن و امان کی صورتِ حال ابتر ہوتی چلی گئی۔ پاک و ہند سرحد کے آر پار ہجرت ہو رہی تھی۔ آپؒ نئی دہلی ٹیگور روڈ کے مکان سے پاکستانی سفارتخانے چلے گئے اور ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو دہلی سے ہجرت کر کے بذریعہ ریل گاڑی لاہور تشریف لائے۔ بستی نظام الدین کے ریلوے اسٹیشن سے لاہور تک یہ سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا۔ اس ہجرت کے آگ و خون کے حالات اور غیبی نظام سے آپؒ کی ریل گاڑی کی حفاظت کے واقعات کو انتہائی مختصر طور پر آپؒ نے اپنے دسویں سالانہ خطبہ ۱۹۷۴ء میں بیان فرمایا ہے۔

کراچی میں قیام:

آپؒ لاہور مہاجر کیمپ میں دو ہفتے گزارنے کے بعد اپنے عزیزو اقارب کے پاس کراچی چلے گئے اور اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ کچھ دیر رہے۔ اس کے بعد اپنے داماد کی رہائش گاہ پر چلے گئے۔ جب آپؒ کی بطور لائبریرین پاک فضائیہ کے ڈرگ روڈ (شارع فیصل) سٹیشن میں ملازمت ہوئی تو آپؒ کو کیمپ کے اندر ہی رہائش کے لیے کوارٹر بھی مل گیا۔

کراچی میں دورانِ ملازمت ہی آپؒ کی بزرگی عیاں ہو گئی۔ آپؒ کے عقیدت مند حضرات پاک فضائیہ میں کثرت سے تھے۔ جب آپؒ کا تبادلہ پاک فضائیہ کے ڈرگ روڈ (شارع فیصل) سٹیشن سے ملیر کینٹ لائبریری میں ہوا تو یہاں بھی آپؒ کی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ جب کراچی میں ملیر ائیر فورس بیس کا افتتاح ہونے والا تھا تو وہاں کے سٹیشن ونگ کمانڈر عبدالسلام بٹ نے آپؒ سے نئے کیمپ کے لیے مونوگرام لکھنے کی درخواست کی۔ آپؒ نے اس کیمپ کے مونوگرام کے لیے یہ شعر لکھ دیا:

آتی ھے مجھے غیب سے آواز مسلسل
ھے عرش بھی نیچا جو ھو پرواز مسلسل

آپؒ کا تجویز کردہ یہ مونوگرام آج بھی ملیر ائیر فورس بیس کے مین گیٹ پر لکھا ہوا ہے۔

بنوں میں قیام:

آپؒ جنوری ۱۹۵۵ء میں کراچی سے بنوں منتقل ہو گئے۔ آپؒ کے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ فوج سے ریٹائر ہو کر مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ میں اپنے آبائی گھر میں آباد تھے انہوں نے ہجرت کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ

''ہمیں حکم ہوا ہے کہ یہاں پر ہی شہید ہونا ہے۔''

عزیزو اقارب نے بہت اصرار کیا مگر وہ نہیں مانے اور بعد میں وہیں شہید ہوئے۔

آپؒ فرماتے تھے کہ ''رسالدار صاحبؒ تو اکثر میرے ساتھ رہتے ہیں۔''

''رسالدار صاحب جب بھی ملتے یہی فرماتے کہ بنوں آ جاؤ۔ اگر آرام سے رہنا چاہتے ہو تو بنوں آ جاؤ۔ آخر ان کی محبت ہمیں بنوں لے گئی۔'' آپؒ جنوری ۱۹۵۵ء میں کراچی سے ترکِ سکونت کر کے بنوں تشریف لے آئے۔ بنوں جانے کا بظاہر سبب یہ ہوا کہ آپؒ کے جاننے والے ایک صاحب بنوں میں سیٹلمنٹ کمشنر تھے۔ وہ اکثر آپؒ کو دعوت دیتے تھے کہ آئیں مجھے مل جائیں۔ آپؒ ان سے ملنے کے لیے بنوں گئے تھے اور ان کے پاس مہینہ بھر ٹھہرے۔ سیٹلمنٹ کمشنر نے آپؒ کو کلیم میں نجاسٹن پارک کے قریب محلّہ قصاباں میں مکان نمبر ۲۴۶ سی الاٹ کر دیا۔ اور پانچ ہزار روپے نقد رقم ادا کی۔ سیٹلمنٹ کمشنر کے ہاں قیام کے دوران آپؒ کی ملاقات عبدالستار خانؒ سے ہوئی۔ عبدالستار خانؒ نے بہت جلد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ الاٹ شدہ مکان میں رہنے والے لوگوں نے مکان خالی کرنے کے لیے مہلت مانگی جو انہیں دے دی گئی تھی۔ اس دوران آپؒ کا عارضی قیام عبدالستار خانؒ کی رہائش ''شانتی بھون'' میں رہا۔ آپؒ ۱۹۶۲ء میں اس مکان میں منتقل ہو گئے، عبدالستار خانؒ کو بھی اپنے مکان میں آنے کی دعوت دی۔ عبدالستار خانؒ اپنے انتہائی مختصر خاندان، بیگم اور ایک بیٹی کے ساتھ آپؒ کے پاس آ گئے۔

لاہور میں قیام:

آپؒ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں اپنے مریدین کے متواتر اصرار اور میاں محمد علیؒ کی دعوت پر بنوں سے ترکِ سکونت کر کے لاہور تشریف لے آئے۔ بنوں والا مکان پندرہ ہزار روپے میں فروخت کر کے اور محکمہ سیٹلمنٹ کی جانب سے ملنے والے پانچ ہزار روپے بھی بنک میں جمع کرا دیئے اور اپنے وصیت نامہ میں اپنی وفات کے بعد یہ رقم اپنی دو بیٹیوں میں تقسیم کرنے کے بارے میں ہدایات درج فرما دیں۔

۱۹۷۳ء میں آستانہ عالیہ توحیدیہ کی جزوی تعمیر کے بعد اس کی افتتاحی تقریب منعقد کی گئی۔

بعد ازاں آستانہ عالیہ میں آباد ہو گئے۔عبدالستار خانؒ بھی اپنی بیگم اور بیٹی کے ہمراہ آپؒ کے ساتھ تھے۔آپؒ جب کراچی سے بنوں منتقل ہوئے تو نانی اماں کراچی میں ہی رہیں۔بعد ازاں جب آپؒ کی چھوٹی بیٹی ہمایوں بیگم ۱۹۶۲ء میں کراچی سے راولپنڈی آئیں تو نانی اماں بھی ان کے ساتھ راولپنڈی آ گئیں اور اپنی چھوٹی بیٹی کے پاس پامر لائنز کوارٹرز راولپنڈی صدر میں رہیں۔ نانی اماں 15 اپریل 1965ء میں لاہور میں انتقال کر گئیں اور انہیں ایف بلاک، ماڈل ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

آپؒ جب بھی بنوں سے راولپنڈی آتے تو دن کے اوقات میں اپنے اہلِ خانہ سے ملنے چلے جاتے تھے۔لیکن رات کے وقت واپس محمد صدیق ڈار صاحب کے گھر آ جاتے جہاں پیار کی محفل جمتی اور اللہ کی باتیں ہوتیں۔

آغازِ بیعت: آپؒ نے کبھی بھی ایک پیر کی حیثیت سے منظرِ عام پر آنا پسند نہیں فرمایا تھا۔ملازمت کے دوران ہی لوگ آپؒ کی طرف متوجہ ہونے لگے جس نے جو دعا بھی کرائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرمائی اور آپؒ کی بزرگی کا چرچا ہونے لگا۔آپؒ اپنے قریب آنے والوں کو وعظ ونصیحت فرماتے اور اللہ کی رضا کی خاطر روحانی فیض سے مخلوقِ خدا کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے۔۱۹۵۰ء میں چند طالبانِ حق کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ آپؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ابھی تک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا باقاعدہ آغاز نہیں کیا گیا تھا۔آپؒ سے ملنے والے زیادہ تر لوگ پاک فضائیہ سے تھے۔یہی وجہ ہے کہ پاک فضائیہ کے لوگ ہی کاروانِ محبت وصداقت کا ہراول دستہ بنے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد:

آپؒ ۱۹۵۳ء میں اپنے مقصودِ حیات یعنی ''رویت باری تعالیٰ کے حصول'' سے ہمکنار ہوئے۔آپؒ کو اپنا مقصودِ حیات مل گیا تو آپؒ نے کراچی میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ۱۹۵۳ء میں

بنیاد رکھ کر اس فیض کو عام کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کراچی سے پاکستان ائیر فورس کی تمام چھاؤنیوں میں متعارف ہو گیا۔ اور کئی جگہ اللہ کے ذکر کے باقاعدہ حلقے قائم ہو گئے۔ پاک فضائیہ کے لوگوں ہی کے توسط سے یہ دعوتِ محبت وصداقت چھوٹے بڑے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں تک پہنچتی چلی گئی۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی دعوت کی اشاعت کے ابتدائی ذرائع آپؒ کی وعظ ونصیحت، ذاتی ملاقاتیں، مریدینِ سلسلہ اور بالخصوص وہ خطوط جو آپؒ نے دور دراز مقامات پر رہنے والے اپنے مریدین کو لکھے تھے، خطوط کی زبان وبیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر خطوط مریدین کو ان کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے۔ آپؒ خطوط کا جواب بروقت دیتے اور شاذونادر ہی ایسا ہوا کہ کسی خط کا جواب نہ دیا ہو۔ آپؒ کی علالت پر آپؒ کی طرف سے محمد قاسم خانؒ خطوط کے جوابات دیتے۔

۱۹۵۴ء تک ارکان سلسلہ کی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ جنوری ۱۹۵۵ء میں بنوں منتقل ہونے کے بعد چند ہی ماہ میں یہ تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ ۱۹۵۶ء کے آخر میں ضرورت محسوس ہوئی کہ حلقے کی باقاعدہ تنظیم کی جائے۔ یہ قاعدہ بنایا گیا کہ جس مقام پر کم از کم پانچ آدمی سلسلہ میں شامل ہو جائیں وہیں ایک حلقہ قائم کر دیا جائے اور انہی پانچوں میں سے ایک کو ان کا انچارج مقرر کر دیا جائے۔ پشاور میں چونکہ ارکانِ سلسلہ کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے تجرباتی طور پر پہلا حلقہ وہاں قائم کیا گیا اور ملک بخشیش الٰہی کو حلقہ کا انچارج مقرر کر دیا گیا۔ حلقہ کے انچارج کو پہلے ''امیر حلقہ'' کہا جاتا تھا جو بعد میں ''خادمِ حلقہ'' کر دیا گیا۔

تصانیف:

آپؒ نے مروجہ پیری فقیری سے قطع نظر کر کے تصوف کی تجدید کی اور اسے قرآن وسنت کے عین مطابق بنانے کا عظیم کام سرانجام دیا۔ آپؒ نے حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق تصوف کی تعلیم کو نئے سرے سے مدون فرمایا۔ اسے عصرِ حاضر کے تقاضوں

کے مطابق قابلِ عمل بنا کر باقاعدہ طور پر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔ آپؒ نے اپنے بنوں قیام کے دوران ہی اپنی پہلی شہرہ آفاق تصنیف بعنوان "تعمیر ملت" ۱۹۵۷ء میں مرتب کی۔ بنوں میں ہی آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے ذکر اذکار، قواعد وضوابط اور آداب کو اپنی کتاب "طریقت توحیدیہ" میں قلمبند کر دیا۔ "طریقت توحیدیہ" پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء میں نوشہرہ ورکاں میں ہونے والے سالانہ اجتماع میں منظر عام پر آئی۔

"طریقت توحیدیہ" سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ حضرات کے لیے دوٹوک الفاظ میں لکھا جانے والا ہدایت نامہ ہے جو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے منشور اور آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے تنظیمی اور عملی سلوک کے ہر پہلو کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے ایک ضابطہ مقرر کرتی ہے۔ جس پر عمل کرنا سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ ہر فرد پر لازم ہے۔

آپؒ نے اپنی کتاب "حقیقت وحدت الوجود" اس وقت لکھی جب آپ گلبرگ لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ آپؒ نے اپنی زندگی میں سالانہ اجتماعات کے موقع پر دیئے جانے والے گیارہ خطبات کو "چراغِ راہ" کی صورت میں اکٹھا کر دیا۔

۶۸/ ۱۹۶۷ء میں آپؒ بیمار ہوئے۔ تو آپؒ نے خط اور ملاقاتیں منع فرما دیں۔ ایک اجتماع صحت یاب ہونے کی خوشی میں نوشہرہ ورکاں میں منعقد کیا گیا۔ یہ اجتماع سالانہ اجتماعات کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت منعقد ہوا۔ اس موقع پر آپؒ نے درود شریف روزانہ ایک ہزار مرتبہ (۱۰۰۰) پڑھنے کا حکم دیا۔ آپؒ نے کہا کہ "مجھے کشف کیا گیا ہے کہ درود شریف پڑھیں۔ ورنہ خالی توحید سے تنگ دستی اور امراض کا ہجوم رہے گا"

سب مریدین سلسلہ کو خط کے ذریعے سرکلر کی صورت میں مطلع کر دیا گیا کہ "کوئی چھوٹا سا درود شریف چن لو اور روزانہ ایک ہزار مرتبہ پڑھو۔"

آپؒ کے خطوط سے یہی پتہ چلا کہ آپؒ خود بھی "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" پڑھتے اور یہی درود شریف بھائیوں کو بھی تلقین فرماتے تھے۔

تفویضِ خلافت:

آپؒ نے جب اپنی خلافت کے لیے کسی کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تو سب مجازینِ کرام سے اس موضوع پر سرسری سی بات کی۔ ۱۹۶۸ء کے سالانہ اجتماع لاہور کے موقع پر آپؒ نے اپنے ساتویں سالانہ خطبہ میں فرمادیا کہ ''اب آخر میں ایک نہایت ضروری بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیماری کے پیشِ نظر اور حلقۂ توحیدیہ کے استحکام اور بہبود کے خیال سے ابھی سے اپنا ایک خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا ہے۔ صاحبِ موصوف جن کی تقرری کا اعلان اس مجلس میں کیا جائے گا وہ روحانی مراتب اور اخلاقی بزرگی میں مجھ سے کسی طرح کم نہیں۔ اس لیے میں آپ سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو میری دی ہوئی تعلیم سے محبت ہے تو آپ سب کو میرے اس حکم کی تعمیل میں آج ہی کے جلسہ میں صاحبِ موصوف کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرنا ہوگی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ نہ صرف میری زندگی میں بلکہ میرے مرنے کے بعد بھی پوری خوشی اور خلوص کے ساتھ حلقہ کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے میں صاحبِ موصوف کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمائیں گے۔'' اسی موقع پر عبدالستار خانؒ کی خلافت کے لیے نامزدگی کا اعلان کیا اور سب مریدینِ سلسلہ کو حکم دیا کہ وہ آ کر عبدالستار خانؒ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں۔

سالانہ اجتماعات:

آپؒ کے اولین مریدین میں سے ایک نور احمد میر عرف نور بابا تھے۔ اہلِ حدیث مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے نور بابا نوشہرہ ورکاں کے رہنے والے تھے۔ ان کی کوششوں سے کئی لوگ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل ہوئے اور ان کی اصلاح ہوئی۔ نوشہرہ ورکاں میں حلقہ ذکر بھی ان کی کاوشوں سے قائم ہوا۔ نوشہرہ ورکاں کے مکین چوہدری جلال الدین کی سراپا ایثار شخصیت، خلوص اور مہمانداری کے جذبہ کی وجہ سے نوشہرہ ورکاں سے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات کا آغاز ہوا۔ نوشہرہ ورکاں میں سب سے پہلا سالانہ اجتماع ۱۹۵۹ء میں ہوا۔

۱۹۷۲ء میں ملتان میں سالانہ اجتماع پر آپؒ نے فرمایا کہ ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ میں نے ۱۹۵۰ء میں یہ مبارک کام شروع کیا تھا۔ اس وقت میں بالکل اکیلا تھا اور آج بائیس برس بعد آپ دیکھتے ہیں کہ بفضلِ خدا میرے ساتھ چار پانچ ہزار آدمی ہیں۔ جن میں سے کئی سو ولی کامل ہیں اور باقی بھی خالی نہیں، روحانیت میں خاصا بلند مقام رکھتے ہیں۔ چونکہ ہم لوگ یہ کام بطور پیشہ نہیں کرتے اور فقیری وضع قطع اختیار کیے بغیر دنیا کے تمام کام سرانجام دیتے ہوئے **''اللّٰہ اللّٰہ''** کرتے ہیں اور مدارجِ روحانی کا اکتساب کرتے ہیں، اس لیے دنیا والوں کی نظر سے بچے ہوئے ہیں یعنی مشہور نہیں ہیں۔''

۱۹۷۴ء کا ایک ہی اجتماع آستانہ عالیہ توحیدیہ میں ہوا۔ جس میں سالانہ خطبہ قبلہ حضرتؒ کی جگہ محمد صدیق ڈار صاحب نے پڑھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ

''خطبہ لمبا ہے میں بیمار ہوں، خطبہ کیسے پڑھوں گا؟''

۱۹۷۵ء کا سالانہ اجتماع ملتان میں ہوا۔ یہ اجتماع ملک کریم بخش صاحب کی دعوت پر دریائے چناب کے کنارے ان کے ایک کلب پر ہوا۔ اس اجتماع کے آخر میں آپؒ نے چند لوگوں کو اوپر اپنی آرام گاہ میں بلوایا۔ ان آٹھ دس لوگوں میں مجاز۔ین کرام خاص طور پر شامل تھے۔ انہیں حکم ملا کہ ''باباجی بلا رہے ہیں۔''

یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں بیڈ پر آپؒ تھے باقی افراد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عبدالستار خانؒ بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ آپؒ نے بڑی دکھی آواز میں فرمایا ''میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ میں بلڈ پریشر کا مریض ہوں، کئی اور تکلیفیں ہیں، کسی وقت بلاوا آ جائے، میری زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جلد بلاوا آ جائے یا چند برس اور لگ جائیں۔ میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ سب لوگ عبدالستار خان سے تعاون کریں۔ آپ تعاون کریں گے تو انشاء اللہ حلقہ خوب بڑھے گا۔'' یہ باتیں سن کر حاضرین غمگین ہو گئے کہ آپؒ جانے کی بات کر رہے ہیں۔ حاضرین پر سکتہ طاری ہو گیا۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''جب کبھی ہمیں موقع ملا۔ میں نے رسالہ نکالا تو میں اس کا نام ''انسانیت'' رکھوں گا۔''۱۹۷۲ء کا سالانہ اجتماع شیخوپورہ میں ہوا۔ آپؒ نے اس سالانہ اجتماع کے لیے خطبہ نہیں لکھا تھا۔ یہ اجتماع موسلا دھار بارش اور تندو تیز ہوا کی نذر ہو گیا۔ اجتماع آدھا ہوا تھا کہ اسے ختم کرنا پڑا۔

آخری ادوار: عمر کے آخری حصہ میں آپؒ کی سماعت کافی متاثر ہوگئی۔ ذرا اونچا سنتے تھے۔ جسمانی اور ذہنی کمزوری بھی ہوگئی۔ آپؒ کے کولہے کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ آپؒ میو ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے، یہاں مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ ڈیوٹی دیتے تھے۔

آپؒ کی کولہے کی ہڈی کا جوڑ برطانیہ سے منگوایا گیا مگر تکلیف رہتی تھی۔ زخم میں پُس پڑ جاتی جسے نکالنے کے لیے ڈاکٹر آتا۔ آپؒ ایک سائیڈ پر بیٹھ جاتے، ڈاکٹر پُس وغیرہ دبا کر نکالتا اور قینچی وغیرہ سے صاف کرتا جس کے بعد آپ سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے۔ ڈاکٹر آپ کے کمال درجہ صبر اور برداشت پر حیران رہتا۔

وصیت: ملتان میں ہونے والا ۱۹۷۵ء کا سالانہ اجتماع آپؒ کی زندگی کا آخری مکمل سالانہ اجتماع تھا۔ اس میں آپؒ نے اپنا آخری خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد آپؒ نے ۲۵ مئی ۱۹۷۵ء کو اپنی تفصیلی وصیت پر دستخط کیے۔ یہ وصیت آپؒ کے حکم پر رستم ایس سدھو نے مرتب کی۔

وفات: رات بارہ بجے جب دسمبر کی ۳۱ تاریخ بدل کر یکم جنوری ۱۹۷۷ء شروع ہوا تو اس وقت راقم الحروف آپؒ کے پاؤں کے تلووں کی مالش کر رہا تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ ''کسی نے کہا تھا کہ آپؒ کی عمر تراسی (۸۳) سال ہوگی، میری عمر تراسی سال تو ہوگئی ہے۔ میں نے ایک قبر دیکھی تھی، اسی وقت سے بیمار ہوں۔ یہیں تھی، میں نے دیکھی، اس کے اندر چلا گیا، بڑی Decorated تھی۔'' محمد صدیق ڈار صاحب نے کہا ''باباجی! آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔''

آپؒ نے فرمایا کہ "فقیر کا پردہ نہیں رہا یہ اچھی بات نہیں ہے۔ جانا ہی چاہیے۔ ذرا خاموشی کے بعد پھر فرمایا: خدا کی قسم! میں نے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی۔ سب کچھ بتا دیا ہے بلکہ لکھ دیا ہے، اب مجھے رکھ کر کیا کرو گے۔ آپؒ نے ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء کو ظہر سے پہلے وفات پائی۔

تجہیز و تکفین:

آپؒ کو ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء کو رات کے وقت غسل دیا گیا۔ مولوی محمد یعقوب صاحب اور میاں مختار صاحب غسل دینے والے تھے۔ مولوی امین صاحب ہدایات دیتے اور یہ دونوں حضرات غسل دیتے۔ نمازِ جنازہ اگلے دن ظہر کے بعد ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ سے پہلے بہت بارش ہوئی۔ جب آپؒ کو دفن کیا جا رہا تھا اس وقت بھی ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔

جانشینی:

آپؒ کی تدفین کے بعد عبدالستار خانؒ 92 جی ماڈل ٹاؤن لاہور (آستانہ عالیہ توحیدیہ) کے برآمدے میں جلوہ افروز ہوئے۔ عبدالستار خانؒ کے ہاتھ پر بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مریدینِ سلسلہ عالیہ توحیدیہ نے بیعت کی۔

پروفیسر محبوب فرید ترمذی کو آپؒ نے اپنے مقرر کردہ خلیفہ عبدالستار خانؒ کی مدد اور علمی تعاون کرنے کی خاطر نائب خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ

"عبدالستار تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں لیکن میرا حلقہ تو پڑھے لکھے لوگوں کا ہے۔ یہاں تو اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی آئیں گے۔ اس لیے ان کو نائب مقرر کیا ہے تاکہ پڑھے لکھے لوگوں کو مطمئن کرنے میں ان کی مدد کریں۔" آپؒ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ "میرے مرنے کے بعد میرا فیض دس گنا بڑھ جائے گا۔" آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ "تیسرے خلیفہ کے دور میں میرا سلسلہ مشہور ہو جائے گا۔"

آپؒ اگر چہ دہلی کے رہنے والے تھے مگر دہلی کے روایتی طرزِ بودوباش اور اندازِ گفت وشنید کے تکلفات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آپؒ نے سادگی اور فقیرانہ طرزِ زندگی کو اختیار کیا۔ آپؒ نہ تو بڑے بڑے جبے زیب تن کرنے کو اچھا جانتے اور نہ ہی محفل میں امتیازی مقام پر بیٹھنے کو پسند کرتے۔ آپؒ ایک بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ آپؒ کا رعب اور دبدبہ محفل پر قائم رہتا، کسی کو بڑھ چڑھ کر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ محفل میں سب ہمہ تن گوش موجود رہتے مگر اس کے باوجود آپؒ کا برتاؤ انتہائی دوستانہ تھا۔ آپؒ ملاقات کے لیے آنے والوں کو زیادہ دیر انتظار نہ کراتے تھے۔

براہِ راست نصیحت نہیں کرتے تھے۔ اندازِ نصیحت یہ تھا کہ دوسروں کو مخاطب کر کے عام انداز میں سمجھاتے تھے۔ متعلقہ افراد خود ہی جان جاتے تھے کہ انہیں یہ نصیحت کی جا رہی ہے۔ محفل میں رات دیر تک گپ شپ جاری رہتی۔ جب رات کے بارہ بجتے تو محفل برخواست کر دیتے پھر نمازِ عشاء کی تیاری کرتے۔ نمازِ عشاء آپؒ خود بھی بہت دیر سے پڑھتے اور دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے۔

آپؒ کی محفل میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ بڑے بڑے دنیا دار اپنی دنیاوی جاہ و حشمت کو پس پشت ڈال کر ایک عام انسان کی طرح محفل میں بیٹھتے تھے۔ آپؒ کا پیار، محبت اور خصوصی توجہ حاصل کرنے کا واحد طریقہ آپؒ کی بتائی گئی تعلیمات پر ذوق وشوق سے عمل کرنا تھا۔ آپؒ ان بزرگوں میں سے بھی نہ تھے جو اپنے پاس آنے والے اعلیٰ دنیاوی مناصب پر فائز لوگوں پر فخر کرتے ہیں۔ کبھی بھی ایسے لوگوں کا تذکرہ آپؒ کی محفل میں نہیں ہوتا تھا۔

آپؒ اپنے انہیں بیٹوں پر فخر کرتے جو اعلیٰ روحانی مراتب پر فائز ہوتے، جو راہِ سلوک پر پورے ذوق وشوق اور استعداد سے گامزن ہوتے، ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ان کے نام کے ساتھ کبھی کبھی خوشی اور فقیرانہ جوش میں کر دیتے۔ محفل میں آنے والے لوگ آپؒ کے پیاروں کو خوب جانتے تھے۔ آپؒ نظم وضبط کے سخت پابند تھے۔ اس میں کمی بیشی پر واشگاف الفاظ میں

تنبیہ کر دیتے تھے۔ نظم وضبط اور طے شدہ معاملات میں نہ تو خود کسی لچک کا مظاہرہ کرتے اور نہ ہی کسی دوسرے کو اس کی گنجائش کا موقع دیتے تھے۔ اگر چہ بے تکلفی آپؒ کا شعار تھا مگر آپؒ اپنے حلقہ والوں کو ہدایت کرتے کہ اعلیٰ دنیاوی عہدوں پر فائز اپنے پیر بھائیوں سے ہرگز بے تکلفی نہ برتیں اور ان کے منصب کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے ملیں۔

آپؒ کی محفل میں طرح طرح کے لوگ آتے۔ جن میں مختلف مذاہب، فرقوں اور عقائد کے لوگ بھی ہوتے تھے۔ آپؒ نے روحانی فیض اور توجہ سے تعمیر سیرت و اخلاق پر توجہ دی۔ آپؒ جدید تعلیم سے آراستہ نئی نسل کے نوجوانوں کو بہت پسند کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ

''میں نے یہ حلقہ داڑھی مونڈوں کے لیے بنایا ہے۔''

آپؒ کی محفل میں اگر کوئی دینی مسائل پر فتویٰ لیتا تو آپؒ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ بلکہ فتویٰ پوچھنے والے کو کسی مفتی سے فتویٰ لینے کی ہدایت فرماتے۔

آپؒ دینی فرائض اور اختیاری کاموں کے لیے دعا نہیں کرتے تھے۔ ایسے امور کے بارے میں کہہ دیتے کہ فرض کی تعریف ہی یہ ہے کہ جی چاہے یا نہ چاہے اسے کرنا ہی پڑتا ہے۔ البتہ نوافل کے بارے میں ایسا کر سکتے ہیں۔

محفل میں جب کوئی کسی دنیاوی مشکل میں دعا کی درخواست کرتا۔ اگر آپؒ حکم دیتے تو وہ کام ضرور ہو جاتا تھا۔ ایسا بھی دیکھا کہ کوئی بھائی دعا کرانے سے پہلے ہی محفل میں مٹھائی تقسیم کرنا شروع کر دیتا۔ دریافت کرنے پر اپنا مدعا بتاتا۔ آپؒ اس کے لیے دعا کر دیتے تھے۔ اس طرح بھی مرادیں پوری ہو جاتیں۔ بے شک آپؒ کی دعائیں قبول ہوتیں۔ مگر دعا کرانے والے کا رجوع اللہ ہی کی طرف کراتے اور واضح کہہ دیتے کہ

''دعا کرنا تو ہمارا کام ہے مگر مالک اللہ کی ذات ہے وہی سب کچھ کرتا ہے۔''

غیر تحریری آئین:

آپؒ نے اپنے مریدین کے لیے اگر چہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین 'طریقت توحیدیہ'' کی صورت میں لکھ دیا مگر کچھ چیزیں غیر تحریری آئین کی صورت میں اپنے مریدین کو بتادیں۔علاوہ ازیں کچھ روایات ہیں جو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے مریدین کے لیے مخصوص ہیں۔

غیر تحریری آئین کے مطابق جس کی شادی ہوا سے ایک ماہ تک روزانہ اور ہفتہ وار ذکر میں شمولیت سے رخصت ہوتی ہے۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ایک تو یہ روایت ہے کہ مریدین اپنے نام کے ساتھ لفظ ''توحیدی'' کا اضافہ کرتے ہیں۔یہ روایت چند دوسرے سلاسل تصوف سے مشترک بھی ہے۔ عام طور پر جب لوگ اپنے دوست احباب یا پیاروں کو کہیں رخصت کرنے لگتے ہیں تو الوداعی علامت کے طور اپنا داہنا ہاتھ دائیں بائیں لہرا کر رخصت کرتے ہیں۔مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ جب اپنے پیاروں کو کہیں رخصت کرتے ہیں تو ہر فرد اپنے دونوں ہاتھوں کو اس انداز سے پکڑتا ہے جیسے ہاتھوں میں ہاتھ ہوتے ہیں اور انہیں بلند کرتے ہوئے رخصت کرتا ہے۔لیبیا کے صدر کرنل قذافی کا یہ انداز جسے وہ محبت اور اتحاد کی علامت کے طور پر اپنائے ہوئے تھے۔قبلہ حضرتؒ کو پسند آ گیا تھا اسی لیے سلسلہ میں رائج کر دیا گیا۔

عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی دوست احباب گلے ملتے ہیں تو وہ بغل گیر ہو کر تین بار ملتے ہیں۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ افراد جب گلے ملتے ہیں تو سینے سے سینہ ملانے کی بجائے دونوں حضرات دل سے دل ملاتے ہیں۔اور صرف ایک طرف ہی ملتے ہیں۔رمضان المبارک میں افطاری اور صلوٰۃ تراویح کی بابرکت مصروفیات کی وجہ سے ہفتہ وار حلقہ ذکر بند کر دیا جاتا ہے۔

مجددانہ کاوشیں:

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تعلیمات تصوف کی تجدید فرمائی۔آپؒ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو آپؒ سے قبل تصوف کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتے۔آپؒ کی تصانیف

تعمیر ملت، چراغِ راہ، حقیقتِ وحدت الوجود اور طریقتِ توحیدیہ آپؒ کی زندگی کا نچوڑ اور تعلیماتِ تصوف کا شاہکار ہیں۔ذیل میں مختصراً مجددانہ کاوشوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

روحانی سلوک:

آپؒ فرماتے ہیں کہ ''دوسرے سلسلوں کی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب،عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔''

دیدارِ باری تعالیٰ کا تصور تو تاریخِ انسانی یا تاریخِ تصوف میں کوئی نئی بات نہیں۔چند اکابرینِ تصوف اور دیگر ہستیوں کو دیدارِ باری تعالیٰ ہوا۔اس کا ذکر کتبِ تاریخ و تذکرہ میں کسی نہ کسی انداز سے مل جاتا ہے۔آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے روحانی سلوک کی معراج ''ذات بحت کا دیدار'' کو قرار دے کر تصوف کی تجدید کی۔اس سے پہلے کسی بزرگ نے اجتماعی سطح پر ذات بحت کے دیدار کے حصول کی بات تک نہیں کی۔اجتماعی سطح پر ذات بحت کے دیدار کے حصول کا تصور تاریخ تصوف میں ایک نئے باب کا آغاز ہے۔

نئے سلسلۂ تصوف کا آغاز:

تصوف کے سلسلوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ان کے نام کہیں مفرد اور کہیں مرکب صورت میں ہیں۔ان سلاسلِ تصوف سے وابستہ بہت سے افراد ہیں جن کو مجدد لکھا، پڑھا اور جانا جاتا ہے۔ایسے افراد نے اپنے اپنے ادوار میں پہلے سے رائج ذکر اذکار و دیگر طریقہ ہائے کار میں تبدیلی کی اور نئے نام سے سلسلہ بنایا۔اس تجدید کی بنا پر یہ حضرات مجدد قرار پائے۔

آپؒ نے سلاسل نقشبندیہ، چشتیہ کا روحانی سلوک بھی طے کیا۔اویسیہ نسبت سے مدارج و مقاماتِ تصوف کی سیر و سلوک طے کرتے ہوئے ذات بحت کا دیدار کیا۔چند دیگر سلسلوں کا بھی مشاہدہ اور مطالعہ کیا۔مگر آپؒ نے اپنے طریق تصوف کے لیے ان چار بنیادی سلاسل،نقشبندیہ،

چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں سے کسی کو بنیاد نہ بنایا۔ بلکہ ہر طرح سے منفرد انداز میں ایک نئے روحانی سلسلے کی بنیاد "سلسلہ عالیہ توحیدیہ" کے نام سے رکھی۔

آپؒ کو اویسیہ نسبت سے پرانے زمانے کا خالص فیض ملا جسے آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھ کر ہمیشہ کے لیے جاری کر دیا۔

تحریری نصابِ تصوف:

آپؒ نے اپنے طریقہ تصوف کے لیے ایک سہل البیان اور قابلِ عمل طریقہ کار وضع کیا جسے تحریری صورت میں مکمل طور پر اپنی انتہائی مختصر کتاب 'طریقتِ توحیدیہ' میں محفوظ کر دیا۔ تصوف کی تاریخ میں اس سے قبل کسی بھی بانی سلسلہ نے اپنے نصاب سلوکِ روحانی کو مکمل طور پر نہیں لکھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں کہیں ان بزرگوں کے رائج کردہ ذکر اذکار اور دیگر وظائف مل جاتے ہیں۔ آپؒ سے پہلے کسی بانی سلسلہ کے سلوکِ روحانی کا مکمل نصاب تحریری صورت میں موجود نہیں تھا۔

اسلوب انبیاء پر تنظیم توحیدیہ:

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے سب انسانیت کو شرک و گمراہی سے نکال کر خالص اللہ کی بندگی کی طرف تعلیم دیتے تھے۔ انبیائے کرامؑ کے بعد امتِ مسلمہ کو امتِ وسطیٰ کہہ کر یہ ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی ہے۔ حالاتِ حاضرہ کی بڑھتی ہوئی ابترصورتِ حال کے پیشِ نظر علمائے کرام اور صوفیائے عظام پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

آپؒ نے تصوّف کی اسی انداز پر ترویج و تنظیم کی جس انداز پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ آپؒ نے اپنے سلسلہ کو تمام وقتی آلائشوں سے پاک کر کے قرآن و سنت کی روشنی میں اسی طریقہ کار پر منظم کیا جس سے انسان انسانوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں آ جائیں۔ جہاں ایمانیات پر کماحقہٗ یقین محکم ہو اور عملی میدان میں پایۂ استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئے۔

صحوی تصوف کی تعلیم:

آپؒ نے ''صحوی تصوف'' کو اپنایا اور اس کی تعلیم کو عام کیا۔ صحوی اور سکری تصوف کے فرق کو آپؒ نے ''چراغِ راہ'' میں موجود پہلے اور دوسرے خطبے میں واضح کیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تصوف خفتہ (سکری تصوف) انسانیت کی افیم ہے۔ خفتہ تصوف والے صوفی فرشتہ تو بن سکتے ہیں لیکن انسان نہیں رہتے'' میں نے ایک مرتبہ اپنے شیخ مولانا کریم الدین احمدؒ سے پوچھا کہ قبلہ یہ خفتہ تصوف کیا ہے اور خفتہ تصوف والے صوفی کون ہیں؟ فرمایا کہ آج کل تو ہزار سچے صوفیوں میں سے ۹۹۹ خفتہ صوفی ہی ہیں۔ ان کو نہ خدا کا پتہ ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کی صفات کیسے کام کرتی ہیں۔ نہ اشیاء کی معرفت حاصل ہے۔ نہ انسانی فطرت کی خبر ہے۔ یہ زندگی کے راز سے باخبر ہیں نہ دورِ حاضر کے مسائل سے واقف۔ ہر وقت روحانی کیف و استغراق میں مدہوش و مبتلا۔ ''لا اور الا' لا اور الا'' کی تکرار میں کھوئے رہتے ہیں۔ ان کو اپنا ہی پتہ نہیں، دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے اور قوم کو سیدھا راستہ کیا بتائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض بعض میں بہت بڑی روحانی طاقت وقدرت ہوتی ہے۔ وہ مردے زندہ کر سکتے ہیں، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں، لیکن یہ سب بے کار ہے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے تھے سب کے سب اپنی قوم کی ہدایت اور خدمت کے لیے آئے تھے۔ ان پیغمبروں کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتیں اور بے پناہ طاقتیں دی تھیں لیکن کبھی نے ان طاقتوں اور صلاحیتیوں کو اپنی قوم کی اصلاح اور بہبود کے لیے صَرف کیا۔ کسی ایک نے بھی خود کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس صوفی یا بزرگ میں اس قسم کی طاقتیں ہوں اور وہ ان کو اجتماعی طور پر قومی اصلاح و فلاح کے لیے صَرف نہ کرے خود ہی مزے لوٹتا رہے وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیرو کار نہیں ہے اور یہ لوگ انفرادی طور پر جو کچھ فائدہ دعا یا کرامات کے زور سے پہنچاتے بھی ہیں وہ کوئی خاص قابلِ قدر چیز نہیں ہے بلکہ اس سے قوم کو الٹا نقصان پہنچتا ہے۔

لوگ اللہ کو چھوڑ کر خود انہی کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں پوجتے ہیں اور قوم اسلام سے ہٹتے ہٹتے مشرک ہو جاتی ہے، اس سے زیادہ نقصان اور کیا ہوگا۔''

''صحوی تصوف کے معنی ہیں تصوف بیدار، سکری تصوف کے معنی ہیں تصوف خفتہ۔ جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کارفرما ہوتا ہے وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے۔ اس قوم میں زندگی، خوشی، خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے صوفی یعنی روحانی علماء زندگی کے تمام رازہائے سربستہ اور انسانی فطرت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور یہی تعلیم وہ اپنے مریدوں اور اپنی قوم کو دیتے ہیں۔ تصوف بیدار صوفی میں دانشمندی، فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔ ایسے صوفی بین الاقوامی مسائل اور اپنے معاشرے اور قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ وہ آئندہ صدیوں تک آنے والے واقعات اور انقلابات کو اس طرح دیکھتے اور سمجھتے ہیں جیسے روز روشن میں یہ سب ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ یہ لوگ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو کشف سے کم لیکن اپنے علم و فراست سے زیادہ معلوم کرتے ہیں اور اپنی قوم کے لیے اپنے علم و فراست کی روشنی میں ایک ایسا لائحہ عمل اور دستور پیش کرتے ہیں کہ اگر قوم اس پر کاربند رہے تو دوسری قوموں سے کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔ اس کو ہرگز زوال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتی رہتی ہے۔''

آپؒ فرماتے ہیں کہ

''میں آپ کو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں، توکل کی چادر اوڑھے شراب معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں۔ میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملا لو۔ اگر میں کہیں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ کر دو، میں اپنے طریقے میں بڑی خوشی سے ترمیم کر لوں گا۔''

انکشافاتِ حقیقت وحدت الوجود:

چھٹی صدی ہجری کے عارف باللہ حضرت ابن عربیؒ نے نظریہ وحدت الوجود پیش کیا۔مغل بادشاہ جہانگیر کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے نظریہ وحدت الشہود پیش کر کے وحدت الوجود کو قرآن وسنت کی روشنی میں رد کیا۔

آپؒ نے ذاتِ بحت تک سلوک طے کر کے فی الواقع حقائق کا مشاہدہ کیا،اپنے روحانی مشاہدہ کی روشنی میں اس قدر واضح ،مختصراور عام فہم انداز میں آپؒ نے ایک عام آدمی کے لیے وحدت الوجودوالشہود کے نظریات کو بیان کیا ہے کہ اس سے قبل تاریخ انسانی میں کسی نے انہیں اس طرح بیان نہیں کیا۔اس موضوع پرآپؒ کی تصنیف ''حقیقت وحدت الوجود'' مستند مقام کی حامل ہے۔

روحانی کیفیات، مقامات اور احساسات کا بیان:

تصوف کے دیگر طریقوں میں کیفیات و مقاماتِ روحانی کے بیان میں ایک پردہ رکھا گیا ہے۔وہ کیفیات، مقامات و احساسات جو بہت بنیادی نوعیت کے ہیں انہیں روحانی راز کے طور پر چھپایا جاتا ہے۔نئے سالک اپنی سادگی، تشنگی اور طلب کی وجہ سے ان بنیادی باتوں کو پانے کے لیے طرح طرح کے جتن کرتے ہیں،اگر نصیب ساتھ دے تو سالہا سال کے بعد کسی قدر یہ معلوم کر لیتے ہیں۔

آپؒ نے کیفیات، مقامات اور احساساتِ روحانی کو ممکنہ حد تک اپنی کتب میں تحریر فرما دیا ہے۔ جنہیں ہر فرد پڑھ سکتا ہے۔اصل ادراک انہی کو ہوتا ہے جو بتائی گئی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور ان پر یہ کیفیات وارد ہوتی ہیں۔جو لوگ ان مقامات پر پہنچ جاتے ہیں وہ خود محسوس کرتے ہیں۔ایک ادنیٰ سی مثال ''توجہ'' کی ہے۔یہ کیا ہے؟ کیسے ملتی ہے؟ کیسے لی جاتی ہے؟ کیوں لی جاتی ہے؟اس سے کیا کیا ہوتا ہے؟ کس کام آتی ہے اور اس سے پیدا ہونے والے احساسات کیا ہیں؟وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے سلسلوں میں جو لوگ "توجہ" سے واقف ہوتے ہیں وہ آٹھ آٹھ اور دس دس سال اپنے در کی ٹھوکریں اور خدمت کرانے کے بعد اگر مہربان ہو جائیں تو کان میں پھونک مار دیتے ہیں کہ "ایسے توجہ لی جاتی ہے"۔ باقی جوابات بقیہ زندگی میں شاید مل جائیں۔ اس کے برعکس آپؒ کی تعلیمات کے مطابق سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں اگر کسی نے آپؒ کی تصنیف کردہ کتب نہیں بھی پڑھیں تو پہلے دن یہ ذکر اذکار کے تعارف میں اس راز کو پالیتا ہے۔ ایسی مثالیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں قدم قدم پر موجود ہیں۔ یہ سب آپؒ کی اعلیٰ ظرفی اور اخلاص پر مبنی مجددانہ کاوشوں کے سبب ممکن ہوا۔

دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ افراد چونکہ روایتی انداز فقیری سے بچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر و بیشتر وہ ان روحانی رازوں کو معمول کی کاروائی یا عام بات ہی خیال کرتے ہیں۔ وہ ان کیفیات سے بدرجہ اتم واقف ہوتے ہیں۔ اعلیٰ ترین مقامات پر ہوتے ہوئے بھی اسے کچھ نہیں سمجھتے۔ اس کی فطری وجہ یہ ہے کہ ان کے مدِنظر ذات باری تعالیٰ کا قرب، لقاء، اور عرفان ہوتا ہے۔ اس مقصودِ حیات کے سامنے تو دیگر روحانی مقامات کچھ بھی نہیں۔

جدید ذہن کی تسکین:

جدید دور میں ہونے والی سائنسی ترقی اور برق رفتار تبدیلیوں کا اثر انسانی ذہن پر بہت گہرا ہے۔ آج کا اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ہر چیز کو تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے نتائج بھی اسی انداز سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مذہب اور ایمانیات کے بارے میں بھی یہ انسان کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ جیسے سوالات اٹھاتا ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور علمائے دین ایسے انسان کو لاجواب تو کر سکتے ہیں مگر کسی طرح سے بھی اندرونی طور پر مطمئن نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ملحد اور بے دین نہ بھی ہوں تو کم از کم ان کا ایمان متزلزل ضرور ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں میں سے اکثر روحانیت کے طالب بھی ہوتے ہیں اور تصوف کے ذریعے اپنے سوالات کا جواب حاصل کر کے

مطمئن ہونا چاہتے ہیں۔صوفیائے کرام کی اکثریت علوم جدیدہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی تسلی نہیں کر پاتی۔ایسے افرادِ معاشرہ کو نا قابلِ اصلاح قرار دے کر کافر اور بے دین ہونے کے لیے نہیں چھوڑا جا سکتا۔

آپؒ نے ایسے ہی متلاشیانِ حق کو تصوف سے آشنا کر کے اللہ کا راستہ دکھانے اور ان کے قلوب کو جگمگانے کے لیے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔آپؒ ایسے لوگوں کی ذہنیت،نظریات،اندازِ فکر اور طرزِ استدلال سے بخوبی واقف تھے اور ظاہری و باطنی دونوں طرح سے ان کی تسلی کر سکتے تھے۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ سلسلہ مغربی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔''

اعلیٰ معیارِ سالکین کا انتخاب:

تصوف کے اکثر سلسلوں میں ہر آنے والے کو مرید کر لیا جاتا ہے۔بہت کم سلسلے ایسے ہیں جن میں معیار کو ترجیح دینے کی بات لکھ دی گئی ہے یا زبانی طور پر کہی جاتی ہے مگر عملی صورتِ حال اس کے بالکل ہی برعکس نظر آتی ہے۔

آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت میں تعلیماتِ تصوف کی ہر انگ اور ہر پہلو سے تجدید فرمائی۔عمومیت کا رنگ ضرور دیا مگر اس کے ساتھ ساتھ تعداد کی نسبت معیار کو ہمیشہ فوقیت دی۔آپؒ کے سلسلہ میں نئے آنے والے سالکین کو فوری طور پر تعداد بڑھانے کے نقطۂ نظر سے ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔آپؒ نے خود بھی اسی اصول پر عمل کیا اور آئندہ کے لیے بھی یہی ضابطہ مقرر فرمایا کہ

''شیخ کو چاہیے کہ اندھا دھند ہر ایک کو طالب نہ بنائے نہ مرید کرے اور یاد رکھے کہ یہ سلسلہ خصوصاً مغربی تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔مریدوں کی تعداد بڑھا کر نا اہل لوگوں کا لشکر جمع کر لینا مقصود نہیں ہے۔سلسلے میں کم سے کم آدمی ہوں تو پرواہ نہیں لیکن جو ہوں وہ زیادہ سے زیادہ روحانیت حاصل کر لیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ

اخلاقِ حسنہ پیدا ہو جائے۔ دوسرے اہل لوگوں کو بھی بیعت کیا جا سکتا ہے مگر خوب ٹھوک بجا کر اور کافی عرصہ تک طالب رہنے کے بعد۔''

اصطلا حاتِ تصوف سے گریز:

تعلیمات تصوف میں وقت کے ساتھ ساتھ بے شمار اصطلاحات متعارف ہوئیں۔ موجودہ دور میں اگر ان اصطلاحات تصوف کو ہی دیکھنا شروع کر دیا جائے تو شاید اس گورکھ دھندے سے نجات مشکل ہو۔ یہ اصطلاحات صرف تحریر میں ہی نہیں ہیں بلکہ عام حالات میں باقاعدگی سے استعمال ہوتی ہیں۔ جس کا لازمی اثر یہ پڑتا ہے کہ سالکین طریقت کے ذہنوں میں اعلیٰ مقامات تصوف کا ایک ناقابلِ تسخیر نقشہ بنتا ہے۔

آپؒ نے اپنے اسلوب طریقت میں اصطلاحات تصوف کو ممکنہ حد تک ختم کر کے تعلیمات تصوف کو ایک سادہ، آسان اور قابلِ فہم انداز دیا ہے۔ توحیدیہ طریقت میں کیفیات و درجات روحانی تو بدرجہ اتم موجود ہیں مگر اصطلاحات کی پیچیدگیوں سے مکمل چھٹکارا حاصل کیا گیا ہے۔

اعداد و شمار سے نجات:

ذکرِ الٰہی کے بارے میں عام انداز یہی رائج ہے کہ ذکر تسبیحوں اور منکوں پر کیا جاتا ہے یا اندازے سے گنتی کا شمار کر کے وظائف و اوراد کے جاتے ہیں۔ تصوف کے سلسلوں میں بھی یہی انداز صدیوں سے رائج ہے۔ بزرگ ہستیاں اپنے اپنے مریدین سے خاص اعداد و شمار کے مطابق وظائف و ذکر اذکار کراتی ہیں۔

آپؒ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ

''پہلے سلسلوں میں اوراد و وظائف ہزاروں بار نہیں بلکہ لاکھوں بار پڑھنے کو بتائے جاتے تھے۔ چنانچہ بعض بزرگ سورہ اخلاص سوا لاکھ مرتبہ بیس یا چالیس دن میں ختم کرایا کرتے تھے۔ کم از کم ایک ہزار مرتبہ درود شریف روزانہ، ہر نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ الحمد شریف، گیارہ سو مرتبہ

یا مغنی، گیارہ مرتبہ سورہ مزمل شریف، اکتالیس مرتبہ سورہ یٰسین شریف اور اس کے علاوہ بے شمار نوافل۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ جو شخص اتنا پڑھے اور پھر کھانا نہ کھائے متواتر روزے رکھے اس کی صحت کس طرح بحال رہ سکتی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نعوذ باللہ یہ باتیں فضول تھیں مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ آج کل جب کہ حصول معاش کے لیے دن رات میں کم از کم بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے، پرانے زمانے کے اوراد و وظائف پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اس لیے میں نے صرف یہ طریقہ بتایا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی تم کوئی دماغی کام نہ کر رہے ہو اور خالی الذہن ہو ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کرتے رہو اور اللہ کی یاد سے غفلت نہ برتو۔ یہی طریقہ قرآن پاک میں بھی بتایا گیا ہے۔ دوسری چیز نفی اثبات کا ذکر ہے جس کے لیے میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ کسی حالت میں بھی پندرہ منٹ سے زیادہ نہ کیا جائے، اب آپ بتائیں کہ اس سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے اور اس سے اپنی محبت کے رشتے استوار کرنے کا اور کوئی آسان طریقہ ممکن ہے؟" آپؒ نے اپنے سلسلۂ طریقت میں ذکر اذکار کے اس پرانے انداز کو بدل دیا ہے۔ اب اعداد و شمار ثانوی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ آپؒ کے مطابق جو فائدہ ذکر اذکار پوری توجہ، یکسوئی، محبت، خواہش اور تڑپ سے کرنے میں ہے وہ کسی طرح سے بھی اعداد و شمار پورے کرنے میں نہیں ہے۔

آپؒ نے فرمایا کہ "سلوک طے کرنے تک مجھ کو یہ تجربہ ہو گیا کہ خدا سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور اخلاق کا تزکیہ کرنے پر منحصر ہے۔"

خواتین کے لیے تعلیمات تصوّف:

تصوف کی تاریخ میں اولیاء اللہ کے اسمائے گرامی میں خواتین کے نام نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جن سے کسی حد تک یہ تاثر ملتا ہے کہ جیسے تعلیمات تصوف صرف مرد حضرات کے لیے مخصوص ہیں۔

چند سلاسل تصوف میں خواتین کے لیے وقتی نوعیت کے انتظامات ضرور ہوتے ہیں مگر سلوک روحانی طے کرنے کے لیے راہنمائی شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتی ہے۔

آپؒ نے اپنے سلسلہ میں خواتین کے لیے ایک مکمل ضابطہ طے کر دیا ہے جس میں رہتے ہوئے خواتین راہِ سلوک کی منازل طے کرسکتی ہیں۔وہ نہ صرف طالب یا مرید ہوسکتی ہیں بلکہ خادمۂ حلقہ اور مجاز بن کر دوسری خواتین کی اصلاح وفلاح کا انتظام بھی سنبھال سکتی ہیں۔اس سب کے باوجود مرد و خواتین کے کسی قسم کے باہمی روابط میں محرم اور غیر محرم کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔

تعلیماتِ تصوف کی عمومیت:

تعلیماتِ تصوف کی راہیں چند مخصوص افراد تک محدود تھیں۔عام تاثر یہی تھا کہ تصوف کی تعلیمات چند افراد کا خاصا ہیں۔ان افراد کو یہ دولت کسی مقبرے، مزار کے گدی نشین یا سجادہ نشین سے ملتی ہے۔اس کے علاوہ یہ تصور تھا کہ یہ دولت بغیر کچھ عمل کیے مل جاتی ہے۔ایک ہی نظر سے کمال حاصل ہو جاتا ہے۔اس راہ کے متلاشی انتہائی دشوار اور بعض اوقات تو بہت ذلت آمیز راستوں سے گزرتے تھے۔اس کے بعد بھی یہ دولت اکثر ناپید ہوتی تھی۔

آپؒ نے تعلیم تصوف کو خصوصیت سے عمومیت کا رنگ دیا، نہ صرف اپنا نصاب طریقت مکمل طور پر لکھا بلکہ راہِ تصوف کی رکاوٹوں، مقاماتِ روحانی کے احوال کو ممکنہ حد تک آسان ترین پیرائے میں لکھ دیا۔راہِ تصوف و سلوک کی خود ساختہ بندشوں کو ختم کر کے قابلِ عمل اور زبردست انداز دیا۔یہ آپؒ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ جدید دور کا انسان جو کبھی رشک بھری نگاہوں سے بڑے بڑے بزرگوں کے مزاروں کو دیکھ کر، ان کی زندگی کے احوال کو پڑھ کر، ان کے مقام اور مرتبے کو حکایتوں سے جان کر یہ خیال کرتا تھا کہ اس مقام اور مرتبے کا حصول ناممکن ہے وہی انسان آج آپؒ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس گوہر کو پا گیا ہے۔

غیر روایتی تنظیم سلسلہ:

تعلیمات تصوّف ہمیشہ سے ایک روایتی انداز میں چلی آ رہی تھیں، جس میں روحانی پیشوا ایک سجادہ نشین یا گدی نشین ہوتا تھا۔ ایک ہی سلسلہ میں ایک روحانی پیشوا کے بعد یا اس کی زندگی میں ہی اس کے کئی خلفاء اس کی تعلیمات کو پھیلاتے تھے۔ ہر خلیفہ بذاتِ خود روحانی پیشوا ہوتا تھا اور اپنے ہاتھ پر اپنے لیے نئے آنے والے لوگوں کو بیعت کر کے مرید کرتا۔ چونکہ ہر بزرگ کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے اس لیے ایک ہی روحانی سلسلہ کے لوگ جو کہ مختلف خلفاء کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ان کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا۔ یہ تضادات وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جاتے تھے۔ آپؒ ایسی صورت کے برعکس اپنی تنظیم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے۔ ہمارے ہاں وہ دقیانوسی طریقہ ختم کر دیا گیا ہے کہ ایک شیخ لاتعداد خلفاء بنا کر اپنے حلقہ کو وسیع کر لے۔ اس طرح اس پیر کی جماعت لاتعداد ٹکڑیوں میں بٹ جاتی ہے اور چونکہ ان خلفاء کے ماحول، اخلاق، ذہنیت اور علمیت وغیرہ میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اس لیے شیخ سلسلہ کی حقیقی تعلیم بحسنہٖ کسی ٹکڑی میں بھی باقی نہیں رہتی اور ان ٹکڑیوں کا باہمی ربط ختم ہو کر جماعت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔''

آپؒ کے وضع کردہ ضابطہ کے مطابق صرف ایک ہی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ ہوتا ہے۔ مجازین کرام کا اصلاحی کام تو دوسرے سلاسل کے خلفاء کی طرز پر ہوتا ہے مگر یک رنگی اور مرکزیت کے پیشِ نظر سب کا رجوع ایک ہی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے سلسلۂ توحیدیہ میں روایتی انداز سے پیدا ہونے والے انتشار کی بجائے ایک غیر روایتی تحریکی انداز اپنا کر استحکام پیدا کیا گیا ہے یہ اندازِ تنظیم سازی تصوف میں پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔

وراثتی گدی نشینی کا تدارک:

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں جانشین کے تعین کے لیے آپؒ نے ایک ایسا لائحہ عمل وضع کر دیا ہے کہ جس میں شیخ سلسلہ کا منصب کسی طرح بھی وراثتی گدی نہیں بن سکتا۔ آپؒ نے جانشینی کے لیے یہ ہدایت تحریر فرمائی کہ ''شیخ کو چاہیے کہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار مثلاً بیٹے، بھتیجے، بھانجے یا پوتے، نواسے وغیرہ کو اپنا جانشین ہرگز نہ بنائے۔ خواہ وہ اس کا اہل ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ایسا کرنے سے حلقہ ایک وراثتی گدی نہ بننے پائے گا۔''

اس کے علاوہ اپنی وصیت میں مزید واضح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ ''یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حلقہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کے منصب کی جانشینی ہمیشہ کے لیے غیر وراثتی رہے گی اور کوئی روحانی پیشوا اس بلند منصب کے لیے، ان اشخاص میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکے گا جو اس کے خاندان کے افراد ہوں۔ جانشین ہمیشہ وہ شخص بن سکے گا جو بالکل باہر کا آدمی ہو، نہ ہی کوئی ایسا فرد جس کا آخری روحانی پیشوا کے خاندان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی رشتہ ہو۔ اس طرح سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں وراثتی گدی نشینی کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا گیا ہے

جاہلانہ رسوم کا خاتمہ:

وقت کے ساتھ ساتھ جاہلانہ رسومات اور گمراہ کن عقائد تعلیماتِ تصوف کا لازمی جزو بن گئے ہیں کہیں انسان اور کہیں مدفن حضرات حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیے جا رہے ہیں۔ زندہ بزرگ مختلف انداز سے اپنے آپ کو سجدے کرا رہے ہیں یا قبروں پر مُردوں کو پوجا جا رہا ہے۔ اس پوجا اور پرستش کے انداز بھی جاہلیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ستم در ستم یہ کہ ایسا کرنے والے صرف جاہل اور گنوار ہی نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سمجھ دار لوگ بھی ہوتے ہیں۔ مریدوں سے نہ صرف زندہ پیروں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرائے آپؒ نے پیر اور مرید کا تعلق عقیدت، ادب اور فرماں برداری کے اصولوں پر قائم کیا۔ ان کی وضاحت میں شریعت

کے ضابطوں کا خاص خیال رکھا۔ اپنے طریقۂ تصوف کی بنیاد ہی ''توحید'' پر رکھتے ہوئے اس نسبت سے ''توحیدیہ'' نام رکھا ہے تاکہ روزِ اول سے ہی کسی شرک کی گنجائش باقی نہ رہے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی کے لیے اپنے سلسلہ میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ اس سلسلہ میں شیخ سلسلہ سے مریدین کا عمومی رشتہ ایک استاد اور شاگرد کی نوعیت کا ہے۔

نفس کشی سے نجات:

تصوف میں مجاہدوں اور ریاضتوں کا ایک وسیع باب ہے۔ نفس کشی کے پرانے مجاہدے اور ریاضتیں آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ آپؒ نے مجاہدوں کے ایسے تمام دستور یکسر ختم کر دیے ہیں۔ نفس کشی کے نظریہ کو باطل قرار دے کر آپؒ نے نفس پر قابو پانے کے نظریہ کو رواج دیا۔ آپؒ کا بتایا گیا طرزِ عمل جدید ادوار میں قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ

''پہلے زمانے کے بزرگ اپنے مریدوں کو نفس کشی کے لیے بھوکا رہنا، برسوں پیدل سفر کرنا، بھیک مانگنا، پاخانہ صاف کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔ آج کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو یہ کچھ بتایا جائے تو کون ہے جو کرنے کو تیار ہوگا؟ اس کے بجائے میں نے صرف یہ بتایا ہے کہ غصہ اور نفرت کو نفی کر دو اور اس کی جگہ عالم گیر محبت اور ہر کام میں حق پر عمل کو اپنے اوپر فرض کر لو۔''

نذرانوں سے اجتناب:

عام طور پر روحانی پیشوا کے لیے تحائف اور نذرانے اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ مریدین کے تحائف، نذرانوں اور عقیدت کے طفیل روحانی پیشوا کی مالی حالت یکسر بدل جاتی ہے۔ مریدین کی طرف سے عقیدت مندی کے طفیل ان مالی اثاثوں کا حجم بعض دفعہ عام انسان کے لیے قابلِ رشک ٹھہرتا ہے۔ آپؒ نے اپنے سلسلہ میں نذرانوں کے رواج کو ناپسند فرمایا۔ اس کے برخلاف اگر مریدین میں سے کوئی ہدیہ کی صورت میں کچھ دینا چاہے تو اس کے لینے کی اجازت فرمائی۔

سلسلہ میں جمع ہونے والی رقوم کے بارے میں یہ دستور بنایا کہ یہ اجتماعی فائدے اور سلسلہ کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ ہوں۔

روحانی پیشوا کا طرزِ عمل:

گدی نشینوں اور پیروں فقیروں کے آستانوں پر ایک روحانی پیشوا اور اس کے مریدین میں خاص فاصلہ نظر آتا ہے۔ روحانی پیشوا کی ظاہری بود و باش اور میل جول سے اس کے منصب کا خود بخود تعارف ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تنظیم میں ایسی صورتِ حال سے اجتناب فرمایا ہے۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ اپنے مریدین کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں۔ ملاقات کے لیے آنے والوں کو انتظار کیے بغیر ایک دوستانہ اور قربت کا ماحول میسر آتا ہے۔ روحانی پیشوا کی طبیعت، مزاج، رہن سہن سے سادگی اور درویشی کا درس ملتا ہے۔ دنیاوی جاہ و جلال کا رعب کم اور دل شگفتگی اور پریم کا ماحول زیادہ نظر آتا ہے۔

تربیتِ انکسار:

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں انکسار پیدا کرنے کے لیے ایک شاندار طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ”دوسرے سلسلوں میں انکسار پیدا کرنے کے لیے یہ بتایا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تمام مخلوق سے ذلیل و حقیر سمجھو۔ ظاہر ہے کہ اس سے انسان کی خودی اور خودداری بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اس کی وہ تمام امنگیں مر جاتی ہیں جو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ایک معاشرے اور قوم کو زندہ، باعزت، باغیرت اور متحرک بالعمل بنانے کے لیے قدرت کی طرف سے فطرتاً پیدا کی گئی ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں یہ تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ یہ سکھایا جاتا ہے کہ اپنی کسی چیز پر غرور نہ کرو کیوں کہ اس سے آئندہ کے لیے طلب ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ تم نہ اپنے آپ کو ذلیل و حقیر سمجھو نہ کسی دوسرے کو، ہم سب خدا کی مصنوعات ہیں۔ خدا کی کسی صنعت سے نفرت کرنا یا اس کو ذلیل سمجھنا خود خدا کی توہین ہے۔ ہم دراصل یہ کہتے ہیں کہ تم اس قصہ میں ہی نہ پڑو

کہ کون ذلیل ہے اور کون بزرگ و برتر اور اگر تم کو ایسا کرنا ہی پڑے تو قرآن کی اس آیت کی کسوٹی پر پرکھو کہ "جو شخص جس قدر زیادہ متقی ہے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور بزرگ ہے۔"

زندہ معاشرتی تحریک:

آپؒ سستی اور کاہلی کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ تمام افرادِ معاشرہ کو ہر طرح سے متحرک دیکھنے کے خواہاں تھے۔ اپنے سلسلہ توحیدیہ میں بھی متحرک رہنے کے لیے ایک طریقہ بیان فرمایا کہ "ہمارے سلسلہ میں سستی اور بے کاری سے بچنے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مصروف رہو اور کچھ نہ کر سکو تو تعلیم میں ترقی کرو اور ایم۔اے تک امتحانات پاس کرتے چلے جاؤ۔ یا کوئی ٹیکنیکل کام اور ہنر سیکھو۔

اتحادِ امت:

امتِ مسلمہ تو آج ان گنت فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے ہر فرقہ خود کو ٹھیک اور باقی سب کو کفر و الحاد پر مبنی قرار دیتا ہے۔ آپؒ نے ہر طرح کے گروہی، فرقی تفریق کو ختم فرمایا۔ آپؒ تو اتحادِ امت کے اس قدر خواہش مند تھے کہ دیگر فرقوں کے حق و باطل تو اپنی جگہ ائمہ اربعہ کے پیروکاروں میں تفریق بھی گوارا نہ تھی۔ آپؒ نے دینی عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے ائمہ اربعہ، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی تقسیم کو بھی ختم کرتے ہوئے اتفاق و اتحاد کا درس دیا۔ فقہی مسائل اور فروعی تضادات کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق اعتدال پر لائے۔ تضادات کو موضوعِ بحث بنانے کی بجائے متفقہ معاملات کو مدِنظر رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آپؒ امتِ مسلمہ کو صحیح معنوں میں امتِ وسطیٰ دیکھنا چاہتے تھے۔

باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط بنام حافظ عبدالکریم صاحب

مورخہ 18.08.2011

آپ کے حلقہ فنڈ کی رپورٹس باقاعدگی سے مل رہی ہیں۔اب آپ کے حلقہ فنڈ کی پوزیشن پہلے سے بہتر ہوگئی ہے۔کیونکہ حلقہ دین پور والے اور فیصل خاں کی فیملی کے ارکان بھی حلقہ فنڈ آپ کے پاس جمع کروار ہے ہیں۔نظم وضبط کے تحت سارا فنڈ خادمِ حلقہ کے توسط ہی سے آنا چاہیے۔خادم حلقہ شیخ کا نمائندہ اور مقامی کمانڈر ہوتا ہے۔اس کا ہر حکم ایسے ہی ماننا چاہیے جیسے شیخ کا حکم ہو۔جو بھائی زیادہ فنڈ بھیجتے ہیں وہ بھی خادم حلقہ کے توسط ہی سے آنا چاہیے۔جو بھائی غفلت اور سستی کریں انہیں حلقہ کے دوران فنڈ کے بارے میں یاددہانی کراتے رہنا چاہیے۔ آپ روزانہ ذکر کے بعد توجہ لینے کیلئے پانچ منٹ ضرور بیٹھا کریں اس طرح نیند آنے کا مسئلہ حل ہو جائیگا۔حلقہ ذکر کے بعد یہ خیال بھی رکھا کریں کہ شیخ سلسلہ سے انوار کی دھار آپ کے دل پر آرہی ہے اور یہاں سے تقسیم ہو کر سارے بھائیوں کے دلوں تک پہنچ رہی ہے۔بزرگی کی راہ میں دیکھنا دکھانا اتنی اچھی بات نہیں ہے۔اس راہ میں ذوق وشوق جاری رہے اور اخلاق بہتر ہوتا چلا جائے یہی بزرگی کی علامت ہے۔قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے کتابوں اور فرمودات میں یہی تعلیم دی ہے۔تھوڑے سے لوگ ہوتے ہیں جن کو روحانی سیر بھی ہو جاتی ہے ان کا خطرہ ہی رہتا ہے کہ کہیں راستے کی دل فریب وادیوں کے حُسن میں کھو کر ہی نہ رہ جائیں اور منزل کھوئی ہو جائے۔میری بیٹیوں کا خیال آپ خود رکھا کریں۔انہیں تعلیم کے مطابق آپ سے توجہ لینی چاہیے اگر چہ وہ اب بھی میرے ساتھ لائن جوڑے رکھتی ہیں۔<u>ہمارا مختصر سا سلیبس ہے لیکن اللہ کی محبت میں اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کیلئے بہت موثر ہے۔استقامت کے ساتھ پاس انفاس کرتے جائیں تو اسی سے سب کچھ مل جائے گا۔</u>

قیامت کی نشانیاں اور دجالی فتنے

(پیر خان توحیدی)

قیامت ایک لازمی امر ہے اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے جدید سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ موجودہ نظام کائنات میں کسی چیز کو دوام نہیں۔ جو پیدا ہوا ہے اس کو یقیناً مرنا ہے۔ قیامت کب آئے گی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح پیش بینی نہیں کی جا سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا راز ہے، جس کا راز رکھنا اسکی مصلحت ہے۔ قرآن وحدیث میں قیامت کے متعلق بے شمار پیش گوئیاں بیان کردی ہیں۔ جب ہم ان پیش گوئیوں کا گزرے ہوئے اور موجودہ زمانہ کے حالات سے موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے، ہم قُرب قیامت میں زندہ ہیں اور قیامت آنے میں اب زیادہ وقت باقی نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا ہے کہ "آپ ﷺ کو اس دنیا میں آخری پیغمبر کے طور پر مبعوث کیا گیا ہے اور اب قیامت کی گھڑی اتنی نزدیک ہے جتنی دو انگلیاں ایک دوسرے کے نزدیک ہیں۔" جہاں تک انفرادی قیامت کا تعلق ہے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے وہ ہر کسی کی موت کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کی زمینی موت آسمانی حیات کا آغاز ہے اگر اس نے یہاں رہ کر اپنے مقصد حیات کو ضائع کیا تو اخروی اور ابدی خسارہ اس کے حصے میں آئے گا۔ یہ دنیا دارالعمل ہے، جس میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں کوئی تنگی و سختی برداشت کر کے حکم الٰہی پر عمل کرتا ہے اور کوئی آرام و آسائش کے باوجود بھی نافرمانیوں پر تلا رہتا ہے۔ کوئی غربت و افلاس کا شکار ہو کر بھی صدقہ و خیرات کرتا ہے تو کوئی بے پناہ مال و دولت کا مالک ہو کر بھی کچھ خرچ نہیں کرتا۔ کوئی امن و آشتی اور محبت و الفت سے زندگی بسر کرتا ہے تو کوئی قتل و غارت کا بازار گرم کر کے وقت گزارتا ہے اس لئے ہم مسلمانوں کا عقیدہ اور یقین ہے کہ قیامت آ کر رہے گی تا کہ نیک اعمال کرنے والوں کو ان کے نیک اعمال کا اچھا بدلہ ملے اور گنہگاروں کو ان کے گناہوں کی سزا ملے۔

قربِ قیامت کی نشانیاں:۔

رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی احادیث میں قیامت کی مندرجہ ذیل نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے نمازوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں غفلت برتی جائے گی۔یعنی نمازوں کا اہتمام رخصت ہوجائے گا جنسی خواہشات میں بے راہ روی عام ہوجائے گی ۔ہم جنس پرستی عام ہوگی ۔انسانی جان کی کوئی وقعت نہ رہے گی یعنی قتل عام ہوگا۔شراب کا استعمال سرِ راہ کثرت سے ہوگا۔جھوٹ بولنا عام ہوگا ۔زکواۃ کی ادائیگی ایک بوجھ اور جرمانہ سمجھا جائے گا۔سود خوری معاشرے پر چھا جائے گی اور قابو سے باہر ہوجائے گی ۔ایک آدمی کی عزت اس لئے کی جائے گی کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں ۔لوگ امانت میں خیانت کریں گے۔اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔علم وفضل اسلام سیکھنے کی بجائے مالی ضرورتوں کیلئے حاصل کیا جائے گا یعنی دین بیچ کر دنیا کمائی جائے گی ۔انصاف نایاب ہوجائے گا۔حق بات کو چھپایا جائے گا۔مسجدوں میں نقش ونگار کئے جائیں گے اور اونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے نمازی مسجدوں میں جائیں گے لیکن ان کے دل منافقت اور ایک دوسرے کی دشمنی سے بھرے ہونگے ۔قرآن پاک سنہری حروف میں لکھے جائیں گے لوگ قرآن پاک کو سروں میں پڑھیں گے لیکن عمل نہیں کریں گے ۔شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا۔کمینے ۔بداخلاق اور نیچے درجے کے لوگ سربراہ بن کر حکومت کریں گے صرف جان پہچان کے لوگوں کو سلام کیا جائے گا۔مرد عورتوں کی نقل کریں گے اور عورتیں مردوں کی نقل کریں گی۔گانے بجانے کا رواج عام ہوگا اور گانے والی عورتوں کی عزت وتکریم کی جائے گی۔فحاشی اور عریانی عام ہوگی ۔گھر گھر ناچ گانے ہونگے۔وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انہیں کوئی فکر نہ ہوگی کہ ان کے پاس مال حلال طریقہ سے آیا ہے یا حرام طریقہ سے" یعنی حلال وحرام کی تخصیص ختم ہوجائے گی ۔(کنزل العمال)

قیامت کی بتائی ہوئی نشانیوں میں تقریباً 80% نشانیوں کا ظہور ہو چکا ہے اور باقی بھی آہستہ آہستہ ظہور ہو رہی ہیں ۔ان نشانیوں میں بہت سی نشانیوں کے مکمل ظہور ہونے تک سب ملکوں میں نصاریٰ (عیسائیوں) کی عملداری ہو جائے گی جس کے لئے مغربی طاقتیں مل جل کر سطح ہموار کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں اور امریکہ ان شیطانی قوتوں کی پشت پناہی کر رہا ہے مسلم ممالک کا گھیراؤ ایک مخصوص منصوبے کے تحت کیا جا رہا ہے اور یہ سارے منصوبے مسلمانوں کی بربادی کے لئے خدا بننے کے شوقین ،شیطان کے پجاریوں نے سوچ رکھے ہیں مسلمانوں کے اندر نسلی ۔قبائلی اور مذہبی منافرت پھیلا کر انہیں آپس میں لڑانے اور مروانے کی بہت بڑی سازش کی جا رہی ہے ۔جب ان شیطانوں اور خدا کے دشمنوں کا پوری دنیا پر غلبہ ہو جائے گا مسلمانوں کا زور ٹوٹ جائے گا ۔اور ہر طرف سے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے ۔

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "قریب ہے کہ تمہارے اوپر مختلف اطرف سے مختلف اقوام دشمنی پر متفق ہو جائیں جس طرح بہت کھانے والے لوگ دسترخواں پر متوجہ ہو جاتے ہیں" آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول ﷺ کیا ہماری تعداد کی کمی کے سبب ہوگا ؟ ۔آپ ﷺ نے جواب فرمایا" نہیں! بلکہ تم سیلاب کی جھاگ کی مانند ہو گے تمہارے دل کمزور ہو چکے ہونگے ۔تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھا لیا جائے گا چونکہ تم دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگو گے "(ابو داؤد،مسند احمد) ۔

اس وقت دنیا قیامت کے آخری دور میں داخل ہو چکی ہے جس کی پہلی نشانی امن و امان کی بربادی ہے ہر جگہ حکومتی مظالم ،دہشت گردی ،ناحق قتل ،خوف و ہراس کی فضا ہے اب حالات کبھی بھی قابو میں آنے کے نہیں ۔بلکہ بد سے بدتر ہوتے جائیں گے ۔دنیا بھر میں بہت تباہی ہوگی اس کے بعد قدرتی آفات کے متعلق جو پیش گوئی کی گئی ہے وہ پورا ہونے کو معلوم ہوتی ہے ۔

حضرت امام مہدی کا ظہور:

جب دجال کا زور بہت بڑھ جائے گا اس وقت اس کے کفر کو ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایک شخص کھڑا کرے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ آپ کا ظہور خانہ کعبہ میں حج کے موقع پر ہوگا۔ حضور ﷺ نے آپ کی خبر قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی کے طور پر دی ہے۔

اللہ کے کچھ نیک لوگ امام صاحب کو خانہ کعبہ میں طواف کرتے ہوئے پہچان لیں گے اور زبردستی اپنا حاکم بنا کر بیعت کر لیں گے اسی وقت غیب سے بھی ایک آواز آئے گی جسے سب لوگ سن سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ حاکم بنائے ہوئے امام مہدی ہیں۔ جب آپ کی بیعت کا قصہ مشہور ہوگا تو ادھر اُدھر سے مسلمانوں کی جو فوجیں ہونگی وہ بھی مکہ میں آ جائیں گی۔ ملک شام، عراق اور یمن کے سارے قطب ابدال اور اولیاء آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی بکھری ہوئی جمعیت کو اکٹھا کر کے ان کی دجال کے خلاف رہنمائی کریں گے۔ جب یہ خبر دوسرے ملکوں میں مشہور ہوگی تو ایک شخص خراسان سے امام کی مدد کے لئے ایک بڑی فوج لیکر چل پڑے گا اِدھر شام ہی سے ایک شخص جو ابوسفیان کی اولاد سے پیدا ہوگا مسلمانوں کا ازلی دشمن ہوگا۔ اور سیدوں کا قاتل ہوگا کیونکہ امام بھی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سید خاندان سے ہونگے اسلئے وہ حضرت امام مہدی کے خلاف لڑنے کیلئے ایک بڑی فوج بھیجے گا لیکن وہ ساری فوج مکہ اور مدینہ کے درمیان زمین میں دھنس کر فنا ہو جائے گی۔ صرف دو آدمی بچیں گے جن میں سے ایک حضرت امام علیہ السلام کو خبر کرے گا اور دوسرا اسی سفیانی کو خبر پہنچائے گا۔ نصاریٰ سب طرف فوجیں جمع کر کے مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کریں گے۔ امام صاحب بھی اپنی فوج لیکر مدینہ تشریف لائیں گے رسول اللہ ﷺ کے روزہ مبارک کی زیارت کر کے شام کو روانہ ہونگے اور شہر دمشق تک پہنچ پائیں گے کہ دوسری طرف سے نصاریٰ کی فوج مقابلہ میں آ جائے گی

تین دن گھمسان کی جنگ ہوگی جس میں بہت سے مسلمان شہید ہو جائیں گے کافروں کی بڑی تعداد بھی واصل جہنم ہوگی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی ۔ وہ لوگ جو مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی طرف سے کفر کے خلاف لڑیں گے بہت درجات کے حامل ہونگے ان کی شہادت باکمال اور زندگی بے مثال غازی کی مانند ہوگی۔

اب امام صاحب ہر طرف سے مطمئن ہوکر خوب انصاف اور قاعدے سے ملک کا بندوبست کریں گے اور زمین کو اسی قدر عدل وانصاف سے بھر دیں گے کہ جس قدر وہ پہلے ظلم ستم سے بھری ہوئی تھی ۔ امام صاحب کا دور خوشحالی کا دور ہوگا ۔ اس خوشحالی کے پانچ چھ سال گزرنے کے بعد شام اور عراق کے درمیانی گوشہ سے دجال نکل کر دائیں بائیں گشت کرے گا ۔ ساری شیطانی قوتیں اس کے ساتھ ہونگی اللہ تعالٰی کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو مختلف آزمائشوں میں ڈال کر ان کا امتحان لیتا ہے اس لئے اللہ تعالٰی نے دجال کو بہت زیادہ طاقت اور قدرت عطا کی ہوگی ۔ جس کے ذریعے وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا اور اپنے آپ کو خدا ثابت کرنے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑے گا ۔ دجال یہود قوم سے ہوگا ۔ اس لئے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد اس کے شیطانی کاموں اور شیطانی قوتوں میں اضافہ کرے گی ۔

دجالی فتنے :۔

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبہ کا کم وبیش حصہ دجال کا واقع بیان کرنے اور اس کے فتنوں سے ڈرانے میں صرف کیا ۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ دنیا کی ابتدا سے لیکر انتہا تک کوئی فتنہ دجالی فتنے سے بڑا نہیں ۔ تمام انبیاء علیہ السلام اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں ۔ میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا میری موجودگی میں آ گیا تو میں اس سے نمٹ لونگا اور بعد میں آیا تو ہر شخص نے اپنے آپ کو بچانا ہوگا سنو! میں تمہیں اس کی صفات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی ہیں ۔

وہ ابتداً دعوی کرے گا کہ میں نبی ہوں پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں پھر وہ اس سے بڑھ جائے گا اور کہے گا کہ میں خدا ہوں۔ پس تم یاد رکھنا کہ خدا کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اور سنو وہ آنکھ سے کانا ہوگا جبکہ تمہارا خدا کانا نہیں۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہو گا۔ جو ہر ایمان دار پڑھ سکے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہوگی۔ اور باغ ہوگا جسے چاہے گا آگ میں ڈال دے گا اور جسے چاہے گا باغ میں بھیج دے گا جو اس کا منکر ہوگا اسے آگ میں ڈالے گا لیکن وہ آگ اس آدمی کیلئے جنت بن جائے گی اور جو اسے خدا مانے گا وہ اسے باغ میں ڈالے گا جو اس شخص کے لئے دوزخ بن جائے گا وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ میں اگر تیرے مرے ہوئے ماں باپ کو زندہ کردوں تو تو مجھے رب مانے گا وہ کہے گا ہاں اتنے میں دو شیطان اس کے ماں باپ کی شکل میں ظاہر ہونگے اور کہیں گے بیٹا یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے وہ مان لے گا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک شخص کو آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کردے گا اور پھر کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا میں اسے زندہ کرونگا وہ زندہ ہو جائے گا تو وہ خبیث پوچھے گا تیرا رب کون ہے وہ کہے گا میرا اللہ ہے اور تو خدا کا دشمن دجال ہے مرنے کے بعد مجھے پہلے سے بھی زیادہ یقین ہوگیا ہے کہ تو خدا کا دشمن دجال ہی ہے اب دجال اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو آسمان سے بارش ہوگی زمین کو پیداوار کا حکم دے گا تو پیداوار ہوگی ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قوم کے پاس جا کر انہیں کفر کی دعوت دے گا وہ انکار کریں گے تو دجال واپس چلا جائے گا لوگ قحط اور خشک سالی کا شکار ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان کے پاس کچھ مال و دولت باقی نہ رہے گا دجال بنجر اور ویران زمین کی طرف جائے گا اور اسے حکم دے گا کہ اپنے خزانے نکال دے اس پر زمین کے خزانے اس کے پاس اسطرح جمع ہو جائیں گے جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کے پاس جمع ہوتی ہیں وہ ایک دوسرے قبیلہ کے پاس جائے گا جو اسے خدا مان لیں گے اس وقت اس لعین کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی زمین پھل اور کھیتی اگائے گی ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازہ اور دودھ والے ہو جائیں گے وہ اپنے ماننے والوں کیلئے

خوشحالی کے سارے سامان مہیا کرے گا اور جو اس کو نہ مانیں گے انہیں قحط سالی اور فاقہ سے دوچار کر دے گا ان کی فصلیں تباہ کر دے گا۔

صحابہؓ نے پوچھا حضور وہ کتنا عرصہ رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا اس کا ایک دن ایک سال کے برابر ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا جبکہ باقی دن تمہارے معمولی دنوں کے برابر ہونگے۔ صحابہؓ نے پوچھا حضور اس کی رفتار کی سرعت کیا ہوگی فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ نے اپنے صحابہ اور امت کو تنبیہ کی کہ اس کے فتنوں سے بچنے کے لئے سورہ کہف کی ابتدائی اور آخری آیات بہت بڑی ڈھال ہے جس نے ان کی تلاوت کی وہ اس کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

دجال کہاں ہے! کب آئے گا:۔

دجال کہاں ہے اور کب آئے گا! سوال اسرار و رموز کے دبیز پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ قرآن بھی اس کے بارے میں خاموش ہے حالانکہ اس کا فتنہ دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے آخر میں یہی بیان کیا کہ اس کا قطعی علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ لیکن فی الواقع ایسا ہے کہ دجال ایک آدمی ہی ہے اور وہ اس دنیا پر موجود ہے جیسا کہ اس بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں ایک روایت درج ذیل ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کو اعلان کرتے سنا کہ نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔ میں بھی مسجد کی طرف نکلی اور عورتوں کی صف میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تمہیں تمیم داری کے متعلق خبر دوں۔ وہ پہلے نصرانی تھا وہ آیا اس نے بیعت کی اور مسلمان ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ لخم اور جذام قبیلے کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا کہ مہینہ بھر بحری موجیں ان کی کشتی سے کھیلتی رہیں حتیٰ کہ کشتی مغرب کی جانب ایک جزیرے میں جا لگی

وہ جزیرے میں اترے جہاں انہیں گھنے بالوں والا ایک جانور ملا جس کے منہ یا دم کی شناخت بھی ناممکن تھی۔انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ جانور نے جواب دیا میں جاسوس ہوں۔کس کا جاسوس ہے؟اس نے کہا اس شخص کا جو دیر میں تمہاری خبر کا مشتاق ہے۔تمیم نے کہا ہم ڈر گئے کہ کہیں وہ شیطان نہ ہو۔پھر ہم تیز تیز چلتے ہوئے دیر (جو ایک ویران جگہ تھی) میں داخل ہوئے تو وہاں ہم نے اتنا بڑا انسان دیکھا کہ ویسا قد آور آدمی کبھی نہ دیکھا تھا۔وہ لوہے کے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا ہم نے کہا کمبخت تو کون ہے اس نے کہا میری خبر تو تم حاصل کر ہی لو گے یہ بتاؤ تم کون ہو۔ہم نے کہا ہم اہل عرب ہیں اور سمندری طوفان ہمیں یہاں لے آیا ہے اس نے کہا مجھے بیسان (شام) کے نخلستان کی خبر دو۔ہم نے کہا وہ خوب پھل لاتا ہے اس نے کہا قریب ہے کہ وہ پھل نہ لائے گا اس نے کہا مجھے عرب کے نبی کی خبر دو ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جا پہنچا ہے اس نے کہا کیا اس نے اہل عرب سے لڑائی کی ہے ہم نے کہا ہاں اس نے کہا نتیجہ کیا رہا ہے ہم نے کہا وہ نبی اپنے گرد و پیش میں غالب آ چکا ہے اس نے کہا لوگوں کے لئے اس کی اطاعت ہی بہتر ہے میرے متعلق خبردار ہو جاؤ میں مسیح دجال ہوں۔عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دی جائے گی میں پوری زمین کو فتح کرونگا۔البتہ مکہ اور مدینہ مجھ پر حرام ہیں میں وہاں داخل نہ ہو سکوں گا پھر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تمیم کی بات اس لئے اچھی لگی کہ میری اس خبر کے مشابہ ہے جو میں تمہیں دجال اور مکہ کے بارے میں بتایا کرتا تھا۔اور فرمایا وہ مشرق کی طرف ہے اور آپ ﷺ نے مشرق کی طرف ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

کچھ مفکرین یہ بھی کہتے ہیں کہ دجال برمودہ ٹرائنگل میں بند ہے۔برمودہ ٹرائنگل امریکہ کے مشرق میں سمندر کے آخری کنارہ میں واقع ہے یہ وہ ٹرائنگل ہے کہ جس کی سطح پر ایسی طاقتور اور خطرناک شعائیں اٹھتی ہیں جو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور غرق کر دیتی ہیں اس کے اوپر سے بھی کوئی چیز نہیں گزر سکتی جو چیز بھی اس کے قریب جاتی ہے وہ اس میں غرق ہو جاتی ہے اس کے اندر سے اڑن طشتریوں جیسی چیزیں نمودار ہو کر فضا میں گم ہو جاتی ہیں

اور کچھ فضا سے آ کر اس میں غائب ہو جاتی ہیں لیکن نہ تو ان چیزوں کے نکلتے وقت اور نہ ہی اندر آتے وقت پانی میں کسی قسم کا ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی آواز آتی ہے یہ باتیں صرف کتابوں رسالوں اور اخباروں میں آتی رہتی ہیں حدیث کی کتابوں میں اس کے بارے میں کوئی بات نہیں تاہم دنیا کے چپے چپے کی معلومات رکھنے والے دعویدار بھی آج تک اپنے سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے دجال کو تلاش کرنے سے قاصر ہیں اگر چہ بعض جدید مفکرین نے جدت کی بھینٹ چڑھ کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ دجال سے مراد امریکہ ہے اور بعض نے دجال سے مراد اسرائیل لیا ہے لیکن یہ سب ان دشمنان خدا کے شیطانی کرتوتوں کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ دجال کے آنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں لیکن اس کا آنا برحق ہے نبی پاک ﷺ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آئے گا جب اللہ چاہے گا لیکن وہ قیامت کے قریب وقت میں آئے گا۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ دجال وقت مقررہ پر شام اور عراق کے درمیانی گوشہ سے نکل کر دائیں بائیں بڑی تیزی کے ساتھ گشت کرے گا اور اپنی شیطانی قوتوں کے ذریعے پوری دنیا میں فتنہ فساد برپا کرے گا دجال یہودی قوم سے ہوگا اس لئے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ ہوگی یہ فتنے فساد پھیلاتا ہوا بہت سے ملکوں سے گزر کر یمن کی سرحد پر پہنچے گا تو ایک بڑی تعداد میں بے دین لوگ اس کے ساتھ ہونگے یہاں تک کہ وہ مکہ معظمہ کے قریب آ کر ٹھہر جائے گا کیونکہ فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے وہ شہر میں داخل نہ ہو سکے گا وہاں سے وہ مدینہ کا رخ کرے گا لیکن وہاں بھی ناکام ہوگا مدینہ میں اس وقت تین زلزلے آئیں گے جس کی وجہ سے دین میں سست اور کمزور لوگ مدینہ سے باہر نکل آئیں گے اور دجال کے پھندے میں پھنس جائیں گے۔

مکہ اور مدینہ سے مایوس ہو کر دجال اپنی فوجیں لیکر ملک شام کو لوٹ پڑے گا جب دمشق پہنچے گا تو امام مہدی علیہ السلام پہلے ہی وہاں پہنچ چکے ہونگے اور لڑائی کے سامان میں

مشغول ہونگے کہ عصر کا وقت ہو جائے گا موذن آذان کہے گا لوگ نماز کی تیاری میں ہونگے کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اتریں گے اور جامع مسجد کے شرقی کنارے پر آ کر ٹھہر جائیں گے۔ وہاں سے زینہ لگا کر نیچے تشریف لائیں گے اور کہیں گے میں خاص دجال کے قتل کرنے کو آیا ہوں جب رات گزر کر صبح ہو گی تو امام صاحب دجالی فوجوں کے خلاف لشکر کو آراستہ فرمائیں گے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گھوڑا اور ایک نیزہ منگوا کر دجال کی طرف بڑھیں گے اور اہل اسلام دجالی لشکر پہ حملہ کر دیں گے دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پگھلنا شروع کر دے گا اور بھاگ جائے گا عیسیٰ علیہ السلام اس کا پیچھا کریں گے یہاں تک باب لد (ایک جگہ) پہنچ کر نیزے سے اس لعین کا کام تمام کر دیں گے عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں یہ تاثیر ہو گی کہ وہ حد نگاہ تک جائے گی اور جس کافر کو لگے گی وہ ہلاک ہو جائے گا اہل اسلام دجال کی فوجوں کا خوب قتال کریں گے اور چن چن کر یہودیوں کو واصل جہنم کریں گے حتیٰ کہ درخت اور پتھر بھی آوازیں دیں گے کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اسے قتل کرو اس طرح دجالی فوج کا خاتمہ ہو جائے گا اور زمین کافروں سے پاک ہو جائے گی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد امام مہدی علیہ السلام کا بھی انتقال ہو جائے گا اب سارا بندوبست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آ جائے گا پوری دنیا میں امن و امان ہو گا اور اسلام کا بول بالا ہو گا عیسیٰ علیہ السلام کا دور انتہائی خوشحالی کا دور ہو گا مال کی فراوانی ہو گی کوئی کسی کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی تکلیف دے گا یہاں تک شیر گائے کے ساتھ چرے گا لیکن اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام تقریباً چالیس سال زمین میں قیام کریں گے اسی دوران جوج ماجوج کا خروج بھی ہو گا جو زمین پر بہت ادھم مچائیں گے لیکن آخر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے انہیں بھی ہلاک کر دے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی چالیس سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کر جائیں گے اور انہیں پیغمبر خدا ﷺ کے روزہ اقدس میں دفن کر دیا جائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کی گدی پر ملک یمن کا ایک شخص جہجاج بیٹھ کر نہایت دینداری اور انصاف سے

حکومت کرے گا اس کے آگے پیچھے کئی بادشاہ ہونگے لیکن رفتہ رفتہ نیک باتیں کم ہونا شروع ہو جائیں گی اور بری باتوں میں اضافہ ہوگا اس وقت قیامت کی دوسری بڑی نشانیوں کا ظہور بھی ہونا شروع ہو جائے گا (1) آسمان پر ایک دھواں چھا جائے گا (2) ایک لمبی رات گزرنے کے بعد تھوڑی روشنی کے ساتھ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور تھوڑی دیر کے بعد مغرب ہی میں غروب ہو جائے گا (3) زمین سے ایک عجیب شکل وصورت کا جانور (دابتہ الارض) نمودار ہوگا لوگوں سے باتیں کرے گا اور بڑی تیزی سے ساری زمین پر پھر جائے گا۔ ایمان والوں کی پیشانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعصاء سے نورانی لکیر کھینچے گا جس سے سارا چہرہ روشن ہو جائے گا بے ایمانوں کی گردن یا ناک پر سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے سیاہ مہر لگائے گا جس سے سارا چہرہ میلا ہو جائے گا یہ کام کر کے وہ غائب ہو جائے گا (4) جنوب کی طرف سے ایک نہایت خوشگوار اور فرحت بخش ہوا چلے گی جس سے ایمان داروں کی موت واقع ہو گی (5) تین مقامات سے زمین لوگوں کو دھنسا دے گی مغرب مشرق اور جزیرۃ العرب (6) یمن کے قصر سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر شام لے آئے گی۔ (7) کافر حبشیوں کا ساری دنیا پر عمل دخل ہوگا وہ خانہ کعبہ کو شہید کر دیں گے اور حج بند ہو جائے گا۔ قرآن شریف دلوں سے اور کاغذوں سے اٹھ جائے گا اور دنیا میں کوئی بھی اللہ پکارنے والا نہ رہے گا تو اچانک ایک دن بروز جمعہ دس محرم صبح کے وقت صور پھونک دیا جائے گا اول ہلکی ہلکی آواز ہوگی پھر بڑھ کر اس قدر تیز ہو جائے گی کہ اس کی ہیبت اور خوف سے سب مر جائیں گے زمین آسمان پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور دنیا فنا ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ہی قیامت شروع ہو جائے گی۔ چالیس سال اسی سنسان حالت میں گزر جائیں گے کہ پھر حق تعالیٰ کے حکم سے دوسری بار صور پھونکا جائے گا زمین آسمان اسی طرح قائم ہو جائیں گے مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہونگے اور میدان حشر میں جمع کر دیئے جائیں گے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دجالی فتنوں سے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین!

نیکیوں کاموسم بہار

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

"نیکیوں کا موسم بہار" قریب آرہا ہے اور جلدی ہی اس کے مبارک شب و روز آپ پر سایہ فگن ہونے والے ہیں۔ آپ دن میں روزہ رکھیں گے، شب میں اللہ کے حضور قیام کریں گے اور شب و روز کی مختلف ساعتوں میں کتاب الٰہی کی تلاوت کریں گے۔ صدقہ و خیرات کریں گے اور نیکیوں کے اس موسم بہار میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ پھر مہینے بھر کی عبادت و ریاضت کے بعد عید کی مبارک صبح کو عید گاہ پہنچ کر دوگانہ شکر ادا کریں گے اور اس حال میں اپنے گھر کو واپس آئیں گے کہ اللہ فرشتوں میں اعلان فرمائے گا کہ "میں نے اپنے بندوں کو بخش دیا" اور آپ بخشے بخشائے اپنے گھروں کو واپس آئیں گے۔ مگر اس اجر و انعام کا مستحق بننے کے لئے ایک شرط ہے۔ اس شرط کا پورا کرنا ناگزیر ہے۔ وہ شرط ہے کہ آپ کی یہ ساری عبادت و ریاضت شعور کے ساتھ ہو، آپ شعور کے ساتھ اللہ کی کتاب کی تلاوت کریں، شعور کے ساتھ دن میں روزہ رکھیں، شعور کے ساتھ شب میں اللہ کے حضور قیام کریں اور شعور کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔

شعور کے ساتھ جب آپ کتاب الٰہی کی تلاوت کریں گے تو اس سے شعوری عمل پیدا ہوگا اور جب شعور کے ساتھ آپ نیک اعمال میں سرگرم ہوں گے تو آپ اعمال صالحہ کی برکتیں اپنی زندگی میں عملاً محسوس کریں گے۔ پھر اعمال صالحہ کی برکتیں اور اچھے اثرات آپ کے قلب میں مزید اچھے جذبات پیدا کرنے میں معاون ہوں گی۔ اس طرح آپ کے لئے نیکی کی راہ آسان، کشادہ اور نہایت پرکشش بن جائے گی۔ اور اللہ آپ کی مدد فرمائے گا۔ اللہ کی کتاب پڑھتے ہوئے جب آپ اس آیت پر پہنچیں **يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَام** (البقرہ- 183) (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے)۔

یوں سوچیے کہ آپ کا ربّ آپ سے مخاطب ہے۔ جب وہ کہتا ہے، اے ایمان والو! تو کان لگا کر سنیئے، یہ آپ کے ربّ کی آواز ہے اور وہ کسی دوسرے کو نہیں آپ کو پکار رہا ہے۔ آپ کا نام لیکر پکار رہا ہے۔ آپ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، مومن ہونے پر فخر کرتے ہیں، ایمان والوں میں یقیناً آپ بھی شامل ہیں اور آپ کا ربّ آپ ہی سے بات کر رہا ہے۔ سوچنے کا یہ انداز آپ کو کسی اور ہی عالم میں پہنچا دے گا۔ آپ کی روح پر وجد کی ایک کیفیت طاری ہوگی۔ آپ سوچیں گے، اللہ اکبر! میری یہ عظمت، اہمیت، کہ میرا ربّ مجھے میرا نام لیکر پکار رہا ہے اور آپ ہمہ تن گوش ہوکر اگلے الفاظ دل کے کانوں سے سنیں گے۔ "تم پر روزہ فرض کردیا گیا ہے" کے الفاظ پڑھتے ہوئے آپ یوں ہی سرسری انداز میں نہیں گزر جائیں گے۔ بلکہ یوں سوچیں گے کہ "تم پر" کا خطاب مجھ ہی سے ہے۔ گویا آپ کا ربّ آپ سے یہ کہہ رہا ہے، میرے بندے! یہ روزہ میں نے تجھ ہی پر فرض کیا ہے، دن بھر روزہ سے رہ کر تُو میرے ہی حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اس حکم کو بجالانے کیلئے تیرے واسطے اتنی بات کافی ہے کہ یہ اس اللہ نے تجھ پر فرض کیا ہے، جس پر تو ایمان لایا ہے ____ مومن کے لئے کسی حکم کی تعمیل کا محرک بالکل کافی ہے کہ اس کے ربّ کا یہی حکم ہے اور اپنے ربّ کی اطاعت کے تصوّر کی لذّت ایمان کا زبردست انعام ہے اور پھر جب آیت کا اگلا فقرہ آپ پڑھیں گے تو اپنے ربّ کی بے پایاں رحمت و رافت اور شفقت و عنایت کا احساس کرکے آپ کا رواں رواں احساس شکر سے سرشار ہوجائے گا۔ ارشاد پاک ہے:

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

(جس طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے گزرے ہیں)

یعنی یہ روزہ کوئی بوجھ نہیں ہے جو اللہ نے تم پر لاد دیا ہو بلکہ یہ تمہاری شخصیت کی تعمیر، تمہاری تربیت اور تزکیہ نفوس کے لئے اللہ کی ایک نعمت اور ناگزیر ذریعہ ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے اسے ہر دور میں، ہر نبی کی اُمت پر فرض رکھا ہے۔ یہ تربیت و تزکیہ کے نظام کا ایسا ضروری جزو ہے، اس قدر زبردست موءثر عامل ہے کہ اللہ کی کوئی شریعت کبھی اس سے خالی نہیں رہی ہے۔

تم پر روزہ فرض کرکے اللہ نے تم پر اپنی رحمت وعنایت کا اہتمام کیا ہے اور تمہیں اس نعمت سے نواز کر اپنی رضا اور اجرِ آخرت کا مستحق بننے کا تمہارے لئے موقع فراہم کیا ہے۔

"جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا" یہ الفاظ محض تاریخ بیان کرنے کے لئے نہیں ہیں قرآن کا موضوع محض تاریخی داستانیں بیان کرنا نہیں ہے۔ دراصل ان الفاظ کے ذریعہ روزے کی عظمت واہمیت اور تربیت وتزکیے کے نظام میں اسکی غیر معمولی اہمیت کو واضح کرنا ہے کہ ہر نظام تربیت اور شریعت میں ہمیشہ روزہ موجود رہا ہے اور پھر اگلے فقرے میں روزے کا اصل بتا کر پورا کر دی گئی ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ٥** (تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو)۔

یعنی اللہ نے روزے کا حکم خود تمہارے ہی فائدے کے لئے دیا ہے، تمہاری عبادتوں سے اللہ کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اللہ تو بے نیاز ہے۔ ساری کائنات مل کر ہمہ وقت اس کی عبادت میں لگی رہے اور کائنات کے کسی چپے میں کسی لمحے بھی اس کی نافرمانی نہ ہو تو بھی اس سے اس کی ذات اقدس کو ذرہ برابر فائدہ نہ ہوگا۔

روزہ اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ بندہ تقویٰ کا پیکر بن جائے۔ اس کے دل میں وہ غیر معمولی قوت پیدا ہو جائے کہ نیکی کی راہ پر بڑھنا اور دوڑنا اس کے لئے آسان اور برائی کی راہ پر جانا اس کے لئے دشوار ہو جائے۔ تقویٰ ہی دراصل زندگی کی اصل رونق اور بہار ہے۔ تقویٰ دل کی وہ روشن کیفیت ہے جس کے ذریعے آدمی پر ہدایت کی راہ کھلتی ہے۔ جس کی بدولت آدمی اللہ کی کتاب سے فیض پانے کے لائق بنتا ہے۔ تقویٰ وہ پسندیدہ جوہر ہے جس کی بنیاد پر اللہ نیک اعمال کو تقویت بخشتا ہے۔ غیر متقی انسان کا کوئی عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہوتا اور روزہ رکھنے کا حاصل یہی ہے کہ آدمی کو تقویٰ کی یہ دولت حاصل ہو۔ بے شک دوسری عبادات سے بھی تقویٰ حاصل ہوتا ہے، مگر روزے کو تقویٰ سے خصوصی مناسبت ہے اور اسی لئے اللہ نے تقویٰ کو روزے کا حاصل قرار دیا ہے۔

اب پوری آیت کو ایک بار پھر ذہن میں تازہ رکھیے اور اپنا جائزہ لیجئے کہ جب اے ایمان والو! کے الفاظ آپ پڑھتے اور سنتے ہیں تو آپ پر وجد کی کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے یا نہیں اللہ کی عظمت اور ہیبت سے آپ پر لرزہ طاری ہوتا ہے یا نہیں۔ اور آپ دل کی گہرائی سے یہ احساس کرتے ہیں یا نہیں کہ اللہ آپ سے مخاطب ہے اور آپ پر روزہ فرض کر رہا ہے اور پھر یہ کہ روزہ رکھنے کے لئے یہ بات آپ کے لئے کافی ہوجاتی ہے کہ یہ آپ کے اللہ کا حکم ہے یا آپ کسی اور محرک کے بھی منتظر رہتے ہیں۔ اگر اللہ کے حکم کے علاوہ آپ کسی اور محرک کے بھی منتظر رہتے ہیں اور کسی عمل پر آمادہ کرنے کے لئے آپ کو اللہ کا حکم کافی نہیں ہوتا، تو آپ ایک خطرناک اور تباہ کن بیماری کا شکار ہیں۔ آپ کا ایمان نزع کی کش مکش میں مبتلا ہے۔ جلد از جلد فکر کیجئے اور اپنے ایمان کو اس کشمکش سے بچایئے۔ اس معاملے میں سستی اور غفلت اور لاپرواہی آپ کی عبرت ناک موت کا باعث بن سکتی ہے۔ جسمانی موت نہیں کہ وہ ایک بار آتی ہے۔ اور کوئی حادثہ نہیں، حادثہ تو ایمانی موت ہے۔ انسان کی ساری قدر و قیمت اور زندگی کی تمام تر رعنائی ایمان کی بدولت ہے۔ ایمان مردہ ہوگیا تو سب کچھ لٹ گیا۔ ایمان سے محروم زندگی، زندگی نہیں موت ہے۔ ایسا چلتا پھرتا انسان دراصل ایک زندہ لاش ہے جو زمین کی پیٹھ پر ایک گند اور بوجھ ہے۔

جس بندے کا ایمان شعوری ایمان ہے، اس کو اللہ کی اطاعت پر آمادہ کرنے کیلئے اتنی بات بالکل کافی ہے کہ اس کے اللہ نے اسے ایسی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہ تو ربِّ جلیل و کریم کی بے پایاں عنایت اور مزید فضل و کرم ہے کہ وہ حکم دینے کے ساتھ ساتھ اپنے حکم کے اسباب اور فرض کردہ عبادات کے فائدے بھی ذہن نشین کراتا ہے۔

روزے کے سلسلے میں فرمایا گیا **"تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"** یہ فقرہ اس لئے بھی ہے کہ بندہ مومن اور زیادہ دل جمعی اور یکسوئی، اطمینان قلب اور نشاط کے ساتھ روزے کا اہتمام کرے اور خاص طور پر اس لئے بھی کہ بندہ بار بار اپنا جائزہ لے اور دیکھے کہ اس کا روزہ واقعی روزہ بھی ہے یا نہیں۔ "تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو" یہ الفاظ ایک کسوٹی بھی ہیں، تاکہ ہر روزہ

رکھنے والا شخص اپنی زندگی پر نگاہ رکھے اور جائزہ لیتا رہے کہ روزہ رکھ کر اس کی زندگی تقویٰ سے آراستہ ہو رہی ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو روزے کا حاصل بتایا ہے اور اللہ کا یہ فرمان یقیناً ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔ روزے سے یقیناً تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی روزہ رکھنے کے باوجود تقویٰ سے محروم ہے تو یقین کر لینا چاہیے کہ اس کا روزہ نہیں ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اگر روزہ رکھ کر آپ کو تقویٰ کی دولت حاصل نہیں ہو رہی ہے تو جان لیجئے کہ آپ روزہ سے نہیں ہیں بلکہ آپ فاقہ کی مشق کر رہے ہیں جس کا حاصل تقویٰ نہیں کمزوری ہے۔

بے چینی کے ساتھ فکر کیجئے۔ رمضان کی مبارک گھڑیاں تیزی کے ساتھ گزر جائیں گی۔ انہیں اس طرح نہ جانے دیجئے کہ آپ خالی ہاتھ رہیں۔ معلوم نہیں آئندہ سال ہمیں پھر یہ مبارک گھڑیاں زندگی میں نصیب ہوتی ہیں یا نہیں؟۔

فرامین خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اقتباس از تعمیر ملت (ص 150)

☆...... روزہ سے صبر و تحمل اور قوت برداشت پیدا کرنے کی مشق ہوتی ہے جو اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کیلئے بہت ضروری ہے۔ روزہ میں مسلمانوں کو غصہ بہت زیادہ آتا ہے جبکہ روزہ میں غصہ بالکل مر جانا چاہیے مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ روزہ میں اللہ یاد ہو۔

☆...... ماہ رمضان کا مجاہدہ یہ سکھاتا ہے کہ اگر تم زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یعنی دنیاوی راحت و آسائش حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاؤ، نفسانی خواہشوں پر قابو حاصل کرو، اخوت و محبت سے رہو، صبر یعنی برداشت کی قوت پیدا کرو اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے برابر عمل کرتے چلے جاؤ۔ آخر تم دیکھو گے کہ تمہارا ہر روز روزِ عید ہے اور ہر شب، شب برات۔

دُعا

(واصف علی واصف)

جس کا خدا پر یقین نہ ہو، اس کا دُعا پر کیوں یقین ہوگا۔ دُعا دراصل ندا ہے، فریاد ہے، مالک کے سامنے التجاء ہے، اپنی فانی او رمحدود زندگی کی کسی اُلجھن سے نکلنے کے لئے۔

فریاد کا سلسلہ پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ معصوم اور بے شعور بچہ فریاد او رپُکار سے زندگی کے سفر کا آغاز کرتا ہے اور اس کے بعد یہ عمل جاری رہتا ہے۔ انسان فریاد کرتا رہتا ہے کسی نہ کسی مشکل سے نجات کیلئے۔

بیمار آدمی جب اللہ کو پکارتا ہے تو وہ اپنی بیماری سے نجات چاہتا ہے۔ اسے اللہ کے ساتھ دوسری وابستگیاں یاد نہیں رہتیں۔ وہ صرف علاج چاہتا ہے۔ معالج چاہتا ہے۔ شفاء چاہتا ہے۔ غریب کی دُعا غریبی سے نجات کیلئے ہے، محبت کرنے والے اللہ سے محبوب کا قُرب مانگتے ہیں غرضیکہ ہر انسان ایک الگ خواہش لے کر اللہ کو پکارتا ہے۔

اگر گوشِ باطن سے سنا جائے تو یہ کائنات ایک مجسم فریاد کی صورت نظر آئیگی۔ دُعا کا شعور فطری طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔ آدابِ دُعا اور فضیلتِ دُعا مذہب نے سکھائے ہیں لیکن یہ شعور زندگی میں موجود ہیں۔ اگر بچہ بیمار ہو جائے، تو ماں کو آدابِ دُعا خود بخود آجاتے ہیں۔ جہاز خطرے میں ہو، تو مسافروں کو دُعا سکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دُعا ان کے دل سے نکلتی ہے، بلکہ ان کی آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکتی ہے۔

دُعا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں دُعا مانگنے والا ہے، وہیں دُعا منظور کرنے والا ہے۔ اگر آپ با آوازِ بلند دُعا مانگیں، تو وہ دور سے سنتا ہے۔ اگر آپ دل میں دُعا مانگیں، تو وہ وہیں موجود ہوتا ہے۔ دُعا کا انداز، تقرب کے اظہار کا اعلان ہے۔ دُعا الفاظ کی محتاج بھی ہے

اور الفاظ سے بے نیاز بھی۔دعا منظور فرمانے والا خود ہی انداز عطا فرماتا ہے۔ ہاتھ اُٹھانا بھی دعا ہے۔ ملتجی نگاہ کا اٹھنا بھی دُعا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے وہ چیز مانگتے ہیں، جسے ہم خود نہ حاصل کرسکیں، لیکن جس کا حاصل کرنا ممکن ہو۔مثلاً ہم یہ نہیں مانگتے کہ اللہ ہمیں پرندوں جیسے پَر عطا کر، کیونکہ یہ ممکن نہیں۔ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہمیں عشق کے پَر لگا کر اُڑا، کیونکہ یہ ممکن ہے۔

دُعا پر اعتماد، ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔یہ بڑے نصیب کی بات ہے کہ انسان دعا کا سہارا ہاتھ سے نہ جانے دے۔جب کسی قوم یا فرد کا دعا سے اعتماد اُٹھ جائے تو آنے والا وقت مصیبت کا زمانہ ہوتا ہے گناہ اور ظلم انسان سے دُعا کا حق چھین لیتے ہیں۔

دُعا مانگنا شرط ہے، منظوری شرط نہیں۔اللہ کریم کے پاس مکمل اختیار ہے۔چاہے تو گنہگار کی دُعا منظور فرما لے، نہ چاہے تو پیغمبر کی دعا بھی منظور نہ فرمائے۔نوحؑ سینکڑوں برس اللہ کے دین کی خدمت کرتے رہے، آخر اُن کا بیٹا بھی طوفان کی نذر ہوگیا۔لیکن ان کے ایمان میں فرق نہ آیا۔دعا آخر سوال تو ہے۔ماننے والا مانے یا نہ مانے۔صاحبِ دُعا خود بھی ابتلا سے گزرتا ہے۔یہ زندگی ہے اس میں غم ضرور آئے گا۔تکلیف ضرور آئے گی۔بیماری ضرور آئے گی۔

ان حالات میں دعا کا مقام کیا رہ گیا؟ دُعا کا یہی مقام ہے کہ انسان تقربِ الٰہی کی خواہش کو کمزور نہ ہونے دے۔دُعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں اپنی رحمت سے مایوس نہ ہونے دے۔ دُعا یہ ہے کہ ہمارا دل نورِ ایمان سے روشن ہو۔دعا یہ ہے کہ اتنا کرم نہ ہو کہ ہم اس کی یاد سے غافل ہو جائیں اور اتنا ستم نہ ہو کہ ہم اسکی رحمت سے مایوس ہوجائیں۔دعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں منظور ہونے والی دعاؤں کی آگہی عطا فرمائے اور وہ دعائیں جن پر بابِ قبول بند ہو، ان کی توفیق عطا نہ فرمائے۔

انسان اکثر اُن چیزوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے لئے نقصان دِہ ہیں اور اکثر ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہے جو اُس کیلئے مفید ہیں۔ہم اپنی پسند کی چیزیں مانگتے ہیں اور جب وہ

حاصل نہیں ہوتیں،تو ہم شور مچاتے ہیں۔حالانکہ ان کا حاصل نہ ہونا ہی ہمارے لئے مفید ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسنون دعائیں مانگی جائیں۔ہمیں دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی دعا مانگ رہا تھا،گڑ گڑا کر،ایک مقرب فرشتے کا وہاں سے گزر ہوا۔عابد پہچان گیا کہ فرشتہ ہے۔بولا "بھائی میری چند دعائیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دو"پھر اس نے آرزوئیں گنوانی شروع کیں۔فرشتہ بولا "بس بس۔میں سمجھ گیا۔"وہ بولا کیا سمجھ گئے،ابھی تو بات مکمل نہیں ہوئی۔"فرشتے نے کہا"میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دوں گا کہ تیرا فلاں بندہ کہہ رہا تھا کہ اے مالک! مجھے اپنے علاوہ سب کچھ دے دو"۔

بس بات اتنی سی ہے کہ ہم اُس سے اُس کے تقرب کے علاوہ سب کچھ مانگتے رہتے ہیں اور پھر گلہ کرتے ہیں کہ دعا منظور نہیں ہوتی۔ہم دوسروں کی تباہی اور ہلاکت کی دُعا مانگتے ہیں، کیسے منظور ہو۔

دُعا سے بَلا ٹلتی ہے، زمانہ بدلتا ہے،انسان اپنے اعمال کی عبرت سے بچ سکتا ہے۔ ماں کی دُعا دشتِ ہستی میں سایہء ابر ہے۔پیغمبر کی دُعا اُمت کی فلاح ہے۔دعا کی افادیت برحق ہے۔دعا سے حاصل ہوئی نعمت کی قدر ایسے کرنی چاہیے جیسے مُنعِم کی۔دعا منظور ہونے کے بعد شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہماری دعاؤں کو قبول فرمایا۔یہ اس کا احسان ہے۔کسی کے احسان کو اپنا حق نہیں سمجھ لینا چاہیے۔

نیک آدمی کو چاہیے کہ وہ گنہگاروں کی بخشش کی دُعا کرے، جاگنے والے کو چاہیے کہ سونے والوں کے حق میں فلاح کی دعا کرے۔قوم کے ہر فرد کو قوم اور ملک کی سرفرازی کی دُعا کرنی چاہیے۔صاحبِ دُعا صاحبِ محبت ہوتا ہے۔اُسی کی دُعا مقبول ہے،جس کو انسانوں سے، جانوروں سے، پرندوں سے،غرضیکہ ہر ذی جان سے محبت ہو،محبت نہ ہو،تو دُعا محض تکلّف ہے۔

زمین و آسمان اور اس کے مابین جو کچھ بھی ہے،اس کی خیریت کی دُعا مانگی جائے تو اپنی زندگی خیریت سے گزر جاتی ہے۔نفرت کرنے والا انسان دعا سے محروم ہو جاتا ہے۔

سب کی بھلائی چاہنے والا ہی مقبول بارگاہ ہے۔اللہ کوسب سے زیادہ وہ ہستی محبوب ہے، جس کو رحمتِ ہر دو عالم بنا کر بھیجا گیا۔حضور ﷺ کے وسیلے اور واسطے سے دُعاؤں کو مقبولیت عطا ہوجاتی ہے۔

بہر حال جب تک زندگی ہے، دُعا رہے گی۔دُعا آہ ہے، فریاد ہے، شب تاریک کی تنہائیوں میں ٹپکنے والا آنسو بھی دُعا ہے۔سرِ نیاز کا بے نیاز کے سامنے جُھک جانا بھی دُعا ہے۔کسی بے بس کی نگاہ کا خاموشی سے سُوئے فلک اُٹھنا بھی دُعا ہے بلکہ مضطرب دل کی دھڑکن بھی دُعا ہے۔کسی دُور رہنے والے کو محبت سے یاد کرنا بھی دُعا ہے۔روح کی مخلصانہ آرزو بھی دُعا ہے۔دُعا دینے والے کے دَر پر کبھی ہم سائل بن کر جاتے ہیں اور کبھی دُعا دینے والا سائل بن کر ہمارے دَر پر دستک دیتا ہے۔ہم کسی کی دُعا کی تاثیر ہیں۔ہماری دُعائیں کسی اور زمانے کو اثر دیں گی۔منظور ہو یا نامنظور دُعا بدستور جاری رہنی چاہیے۔

O

خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔

خاموشی خود ایک راز ہے اور ہر صاحب اسرار خاموش رہنا پسند کرتا ہے۔

خاموشی دانا کا زیور ہے اور احمق کا بھرم۔

اعلان

گوجرانوالا کے سائیں محمد رفیق اور چوک اعظم سے محمد شاہد کے والد بقضائے الٰہی انتقال کر گئے ہیں بھائیوں سے استدعا ہے کہ ان مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں

ایمان اور اسلام کا باہمی ربط

(مرسلہ:مدثر حسن بخاری ایڈووکیٹ ملتان)

ابھی تک ہم نے افہام وتفہیم کی سہولت کی خاطر ایمان اور اسلام کو ایک ہی تصویر کے دورُخ قرار دیا ہے اب ذرا گہرائی میں اُتر کر دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ اُن کے مابین ربط،علت ومعلوم کی نوعیت کا ہے یعنی ایک سبب ہے اور دوسرا اس کا نتیجہ چنانچہ جیسا ایمان ہوگا۔ویسا ہی اسلام وجود میں آئے گا ایمان سرسری ہوگا تو اسلام بھی سطحی ہوگا۔ایمان صرف زبانی اقرار تک محدود ہوگا۔تو اللہ کی تابعداری بھی بس زبانی کلامی ہوگی۔اگر ایمان گہرا اور پختہ ہوگا تو اسلام بھی حقیقی اور واقعی ہوگا۔ایمان اور اسلام کے مابین اس ربط وتعلق کو بعض دوسرے اصحاب قلم اور ارباب علم ودانش نے نہایت دل نشیں مثالوں کے ذریعے اس طرح بیان کیا ہے۔مثلاً اسلام کے نظام کو اگر ایک عمارت سے تعبیر کیا جائے تو ایمان اس عمارت میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے،جس عمارت کی بنیاد کمزور ہو یا سرے سے کوئی بنیاد ہی نہ ہو اُس پر کسی بالائی منزل کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا پائیدار اور مضبوط وہی عمارت ہوتی ہے۔جس کی بنیاد پائیدار اور مستحکم ہو۔اس طرح مضبوط ایمان کی بنیاد پر ہی اسلام کی پختہ عمارت تعمیر ہوسکتی ہے۔

اس طرح اگر ایمان کو جڑ سے تشبیہہ دی جائے تو یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کمزور جڑ کا درخت مضبوط اور تناور نہیں ہوتا۔ہوا کا ایک تیز جھونکا اُسے اُکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔اس کے برعکس مضبوط جڑ کا درخت تناور اور محکم ہوتا ہے۔جو شدید طوفانوں کے مقابلے میں بھی جما رہتا ہے ایسی ہی صورت آج کے دور میں ایمان اور اسلام کی ہے۔ہمارا ایمان کمزور ہے لہذا اس درخت کے برگ وبار یعنی اسلامی اعمال بھی بے روح اور بے نتیجہ ہو کر رہ گئے ہیں ہماری بڑی کوتاہی یہ ہے کہ کمزور ایمان کو پختہ کئے بغیر اسلامی احکام کی بجا آوری کی اُمید رکھتے ہیں۔ جن اسلامی ارکان کی تعمیل میں نفسانی خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے یا دنیاوی مفادات کو

ترک کرنا پڑتا ہے وہاں ایمان کی کمزوری کے باعث ہم ثابت قدم نہیں رہ پاتے اور مفاد پرستی کا ایک معمولی سا جھونکا ہمارے ایمان کو متزلزل کر ڈالتا ہے یہی وجہ ہے کہ مفاد عاجلہ یعنی اس دنیوی زندگی کے عارضی اور ادنیٰ مفاد کے ہلکے سے طوفان کی ایک لہر ہمارے کمزور ایمان کو بہا لے جاتی ہے۔

اسی طرح اگر ایمان کو بیج سے تشبیہہ دی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب زمین میں بیج بویا جاتا ہے تو تمام کارخانۂ ہستی اس کی نشو ونما میں لگ جاتا ہے۔سورج اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دیتا ہے بادل بارش سے اس کو مالا مال کر دیتا ہے زمین اس کو نمو دیتی ہے ہوا اپنا کام انجام دیتی ہے لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں نتیجہ خیز ہوتا ہے کہ خود بیج کے اندر استعداد نمو جو ہو۔ورنہ پھر یہ تمام کارخانہ عطاو بخشش اس کے لئے بیکار ہوگا۔سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھتے ہوئے بھی اُسے گرم نہ کر سکے گا۔بادل اگر تمام ذخیرہ آب ختم کر ڈالے تب بھی اُسے زندگی کی رطوبت حاصل نہ ہو سکے گی۔پھر ایک صالح بیج زمین میں جب اپنی جگہ بنالیتا ہے تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہونی شروع ہوتی ہے اور جب یہ زمین کی سطح چاک کر کے اُبھرتا اور پھر ایک تناور درخت بنتا ہے تو ہم اُس درخت کی ہستی کا اعتراف تو کرتے ہیں لیکن ذہن ادھر نہیں جاتا کہ یہ سب اس صالح بیج کا ظہور ہے جو زمین میں بویا گیا تھا۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا پر ایمان ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اور اخلاق کا ظہور انسان کی عملی زندگی کے تمام گوشوں میں ہونا چاہیئے۔ایمان ایک تخم ہے جو قلب انسانی میں جڑ پکڑتے ہی اپنی فطرت کے مطابق عملی زندگی کے ایک پورے درخت کی تخلیق شروع کر دیتا ہے اور اس درخت کے تنے سے لے کر شاخ پتے سے پھل میں اخلاق کا وہ جیون رس بھر دیتا ہے جس کے سوتے تخم کے ریشوں سے اُبلتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ دل میں بویا تو گیا ہو اللہ پر ایمان کا بیج اور اس سے رونما ہو جائے ایک مادہ پرستانہ زندگی!۔اگر ایک تاجر اللہ پر یقین رکھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس کی تجارت میں سچائی اور دیانت و امانت نہ ہوں۔اسی طرح اگر ایک جج اللہ کے دین کو برحق سمجھتا ہے تو عدالت کی کرسی پر اُس سے غیر اسلامی اخلاق ظاہر ہی نہیں ہو سکتے

اسی طرح اگر کوئی قوم اللہ پر ایمان رکھتی ہے تو اس کی شہری زندگی مُلکی انتظام خارجی سیاست اور اس کی صلح و جنگ میں اللہ کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کی نمود ضرور ہونی چاہیے ورنہ اُس کا ایمان باللہ محض ایک لفظ بے معنی ہے اور ایک ایسا جسم ہے جس میں کوئی جان نہیں۔

موجود سائنسی دور اور اسلام:

سب جانتے ہیں کہ موجودہ ایٹمی دور میں انسان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور اس کی ذہنی صلاحیتیں بہت ابھر گئی ہیں۔ نتیجۃً تحقیق و جستجو کا عمل زندگی کے ہر شعبے میں کارفرما ہے میکانیکی و تکنیکی ترقی نے انسان کو ایک ایسے دور میں داخل کر دیا ہے جہاں تحقیق و جستجو کا میدان روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے ان حالات میں مسلمان کے لئے بہت سے سنجیدہ مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان مسائل میں سرفہرست یہی مسئلہ ہے کہ ایمان کی حقیقت کو موثر و بلیغ اسلوب کے ساتھ تجربے اور مشاہدے کے انداز میں کس طرح پیش کیا جائے۔

نئی ایجادات نے عقل انسانی کو حیرت زدہ کر دیا ہے نوجوان نسل کے سامنے مادی ترقی کا ایک سحر انگیز اور پُرکشش ماحول پیدا ہو گیا ہے جس میں مذہب اور دین کی باتیں فرسودہ اور بے سود دکھائی دینے لگی ہیں۔ اور مادہ پرستی کے ماحول نے مسلمانوں کو اسلام اور اس کے تقاضوں سے دُور کر دیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اگر ہم نے ایمان اور اس کے تقاضوں کو واضح اور قابل فہم انداز میں پیش نہ کیا تو اس داخلی انتشار کے باعث مسلمانوں کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں مزید محدود اور مسدود ہو کر رہ جائیں گی اور ہماری دینی اور دنیوی دونوں طرح کی محرومیاں مزید بڑھتی چلی جائیں گی اور نہ صرف یہ کہ ہم پیچھے رہ جائیں گے بلکہ آج تو معاملہ صرف یہ ہے کہ مذہب کے معاملے میں ہم نئی نسل سے صاف اور کھلی بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں ڈر ہے کہ کل ہماری آئندہ نسل دین سے کھلم کھلا سرکش اور باغی نہ ہو جائے اس لئے ہمیں ایمان کا مطلب واضح اور متعین طور پر سمجھنا اور دوسروں کو بتانا ضروری ہے۔

ایمان کے حصُول کا ذریعہ:

ایمان یوں تو بہت سی اَن دیکھی حقیقتوں کو محض نبیوں اور رسولوں کی شہادت کی بنیاد پر ماننے کا نام ہے لیکن اِس کی جڑ بنیاد اور اصل جوہر اور خلاصہ ایمان باللہ ہے یعنی اللہ کی ہستی اس کی توحید اور اس کی صفات کمال کی معرفت اور اُن سب کا لب لباب اور اصل حاصل یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کا نقش دل پر قائم ہو جائے۔ اور انسان اُس کی کبریائی کے تصور سے نہ صرف لرزہ براندام ہو بلکہ اس کا دل حمد وثنا اور تحسین وآفرین کے جذبات سے معمور ہو جائے اور وہ بے ساختہ پکار اُٹھے کہ اللہ نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا۔ اس کا آسان ترین ذریعہ یہ ہے کہ اس کی تخلیق پر غور کیا جائے اور اس کی خلاقی، صناعی اور مصوری کا بنظر غائر مشاہدہ کیا جائے۔ اس لئے کہ کائنات کی وسعت وعظمت درحقیقت اُس کے خالق ہی کی عظمت کا عکس اور پرتو ہے۔ اس طرح کائنات میں جاری وساری قوانین طبعی وتمدنی سے اللہ کی قدرت وحکمت کا اندازہ ہوسکتا ہے اور اِن قوانین کی پختگی اور محکمی ہی سے اللہ کے ارادے اور مشیت کے اٹل اور غیر متبدل ہونے کا شعور ابھرتا ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا صحیح مفہوم ہم میں تب ہی پیدا ہوسکتا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی عظمت اور اس کے مقرر کردہ قوانین کی محکمیت سے پوری طرح واقف ہوں۔

اس لیے اپنی عظمت اور کبریائی کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انفس وآفاق یعنی ہمارے اپنے اندر کی دنیا اور باہر کی ساری کائنات کے مطالعے پر زور دیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں صرف آفاق کے مشاہدے کے ضمن میں کم وبیش سات سو آیات نازل ہوئی ہیں اور بے شمار نفسیاتی حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ قرآن کے اسی اندازو اسلوب کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنے عروج میں آفاق وانفس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں سے متعلق سائنس کے جملہ شعبوں کے ذخیرہ معلومات کو ہند و یونان سے اخذ کیا اور پھر نہ صرف یہ کہ اُنھیں ترقی دے کر بام عروج تک پہنچایا بلکہ متعدد نئے علوم وفنون کئے

اور قافلہ انسانیت کو زمانہ وسطیٰ کی جہالت کی تاریکیوں اور توہمات کے اندھیروں سے نکال کر مشاہدہ وتجربہ تحقیق وتفتیش اور اجتہاد واختراع کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یورپ میں احیائے علوم کی پوری تحریک عربوں کی زیر اثر اٹھی جس نے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

افسوس کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں نے آفاق وانفس کی جانب سے نگائیں بند کر لیں نتیجتاً ایمان محض ایک متوارث نظریے اور ماورائے عقل عقیدے کی صورت اختیار کر گیا اور اسلام نے چند بے روح رسوم کی شکل اختیار کر لی آج پھر ضرورت ہے کہ نہ صرف ایمان واسلام کی اصل روح کو از سر نو زندہ کیا جائے بلکہ اُن کا رشتہ دوبارہ آفاق انفس کے علم کے ساتھ قائم کیا جائے تاکہ نوجوان نسل اور بزرگ حضرات اللہ کی تخلیق کی عظمت اور اس کے طبعی وتمدنی قوانین کی پختگی ومحکمی سے اللہ کی عظمت کا کچھ ہلکا سا اندازہ کر سکیں اس مقصد سے آفاق وانفس کے بارے میں جو معلومات آج تک انسان نے حاصل کی ہیں اُس سے اللہ کی عظمت کا نقش دلوں پر قائم ہو یہی ایمان کا اصل جوہر اور لب لباب اور اسلام کی محکم اساس اور پختہ بنیاد ہے۔

جن سائنسی معلومات کا انکشاف کیا جا چکا ہے وہ مکمل حقیقت یا حرف آخر اب بھی نہیں ہیں انسان کی جستجو اور کوشش اسی راہ میں برابر جاری ہے اور یہی اللہ کی مرضی اور انسان سے مطالبہ ہے کہ وہ تسخیر کائنات سے نوع انسانی کو پورا پورا فائدہ پہنچائے۔

استدعا: اللہ کے فضل سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق طباعت، کمپوزنگ میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے کے تحت کوئی سہواً غلطی ہوگئی ہو تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں۔ نشاندہی کیلئے شکرگزار ہوں گے۔ مزید مجلّہ میں بہتری لانے کیلئے آپ کی آراء ضروری ہیں۔ (ادارہ)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

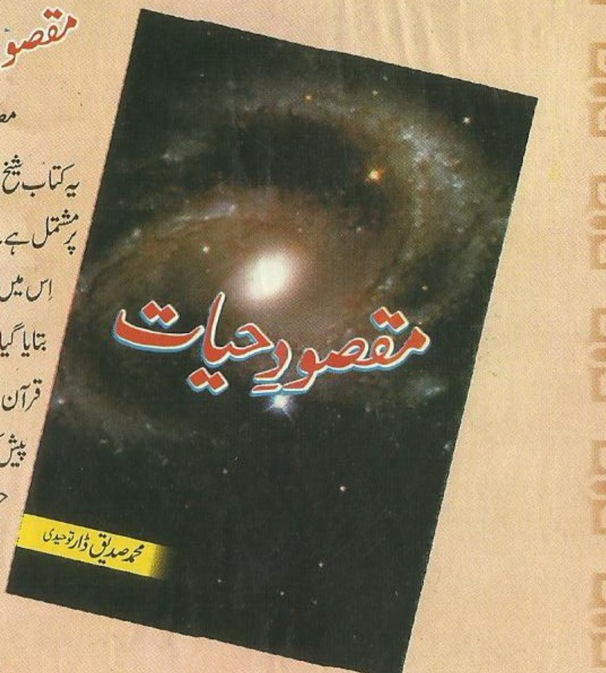


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔

مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

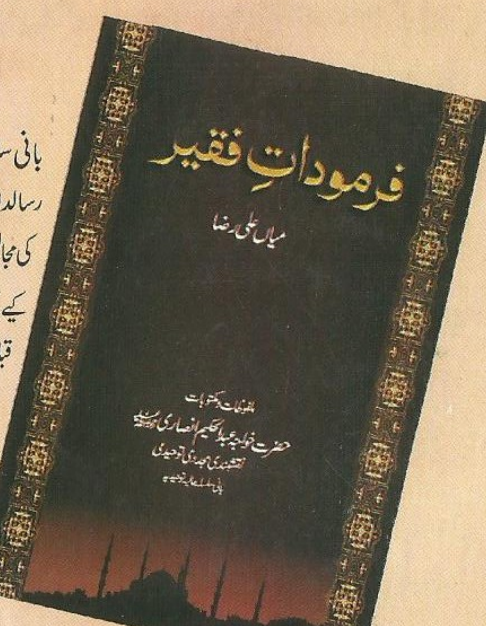
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔



فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net